اسلامی نظام کے اولین علمبردار

"مشاجراتِ صحابہؓ پر ایک نظر"

از علامہ السید محب الدین الخطیب

مترجم

محمد اسلم سیف فیروزپوری (فاضل عربی)

ناشر :

مکتبہ سعیدیہ فیض آباد ڈیرا تلمبہ ضلع ملتان

مترجم :۔ قاضی محمد اسلم سیف پوری فاضل عربی
ناشر :۔ علی محمد سعیدی ناظم مکتبۂ سعیدیہ
مطبوعہ :۔ الہلال پریس لاہور
تعداد :۔ ایک ہزار بار اوّل
قیمت فی جلد ایک روپیہ

فہرست مندرجات و مشمولات

سخن ہائے گفتنی

برِّ صغیر ہند و پاک میں ولی اللٰہی خاندان کی علمی دینی اور سیاسی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ حجۃ اللہ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس دینی، علمی، تحقیقی اور اسلامی تحریک کی بنیاد رکھی اور طرح ڈالی اس مقدس علمی خاندان کے ہر بزرگ نے اپنے اپنے وقت میں اس تحریک کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ رفض و بدعات کی تردید، اشاعتِ کتاب و سنت، نشرِ معارف حدیث، تبلیغ فلسفۂ اسلام، سیاسی انقلاب علیٰ منہاج النبوۃ اور ملک کی حریت و آزادی کے تحفظ کے لئے تن من دھن ہر چیز کی قربانی پیش کی اور رزم و بزم کے ہر ہر محاذ پر پوری کامیابی سے اسلام کی حفاظت و صیانت کے فرائض انجام دیئے۔ کیونکہ اس نیک اور علمی خاندان کے بزرگ بیک وقت میدانِ سیف و قلم کے شہسوار تھے

نیکی، زہد و ورع، تقویٰ و تدین، جذبۂ اتباعِ سنت، علم و فضل، اور دینی ایثار و قربانی کے لحاظ سے یہ فاروقی خاندان صحابۂ کرام کی مثال تھا۔

ہندوستان میں جب مغلیہ سلطنت کا آفتاب حکومت غروب ہوا جاہتا تھا، اور مغلوں کا اقتدار چراغِ سحری کی طرح ٹمٹما رہا تھا تو ان کی ہمسایہ سلطنت اودھ میں رفض و تشیع کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اسی وجہ سے ہندوستان بھر میں رفض و تشیع کا طوطی بول رہا تھا۔ محبتِ اہلِ بیت کے نام سے بہت سی بدعات اور غیر اسلامی اور غیر دینی عقائد و اعمال، نفاق و شقاق اسلام میں گھس آئے تھے۔ بھلا ان حالات میں ولی اللہی خاندان کے مایۂ ناز سپوت کب خاموش رہ سکتے تھے؛ چنانچہ ان بدعات اور غیر اسلامی عقائد و نظریات کی تردید کے لئے استاذ الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مرحوم و مغفور۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے نے اس موضوع پر "تحفۂ اثنا عشریہ" کے نام سے فارسی زبان میں ایک مبسوط اور جامع کتاب لکھی چونکہ اس وقت ہندوستان میں سرکاری اور پڑھے لکھے طبقہ کی

زبان فارسی تھی نیز تشیع کے اصل مرکز ایران کی سرکاری اور عوام کی زبان بھی فارسی ہی تھی اس لیئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے بھی اس موضوع پر اپنے اظہارِ خیالات کا ذریعہ فارسی ہی کو بنایا، اور شاہ صاحب نے اس کتاب میں اہلِ اسلام اور تشیع کی حقیقت کو واضح فرمایا۔ کتاب کی علمی عظمت، اور تحقیقی رفعت اور دینی منزلت کی بنا پر اردو میں اس کے تراجم متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔

اہلِ عرب کی زبان چونکہ عربی ہے اس لیئے ضرورت تھی کہ عربوں کو اس علمی کتاب سے روشناس کرانے کے لئے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جاتا۔ چنانچہ اس کی افادی حیثیت اور تحقیقی بصیرت کے پیشِ نظر عراق کے ایک مشہور فاضل نے اس کا عربی ترجمہ کیا اور بعد ازاں المنحۃ الالٰھیہ تلخیص تحفہ اثنا عشریہ کے نام سے اس کا ملخص بھی کر دیا۔ گزشتہ سالوں میں اس کا وہی عربی ملخص بڑے اہتمام سے مصر میں شائع ہوا تھا اور اس کے آخر میں مصر کے مایۂ ناز اہلِ قلم ادیب، صاحبِ علم محقق اور مشہور سلفی عالم علامہ السید محب الدین الخطیب سابق مدیر مجلۃ "الازھر" (قاہرہ) نے ایک تحقیقی اور علمی مقالہ، بعنوان

حصلت رسالۃ الاسلام الاوّلون ـــ وما کانوا علیہ فی المحبّۃ والتعارف وکیف شوہ المغرضون جمال سیرتھم" لکھ کر شائع کیا تھا۔ موصوف اس سے قبل متعدد علمی اور تحقیقی کتابوں پر حواشی اور ذیول لکھ کر اہلِ علم سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ بالخصوص "المنتقی" خلاصہ المنہاج السنۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرّانی رحمۃ اللہ علیہ اور العواصم من القواصم پر ان کا شاندار حاشیہ اپنا غیر فانی علمی مقام بنا چکا ہے۔ مقالہ کے علمی، تحقیقی اور افادی پہلوؤں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اِفادۂ عام کی غرض سے اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس ترجمہ کے اصل محرّک اور باعث جماعت اہل حدیث کے مشہور نوجوان فاضل جناب مولانا حافظ محمدّ ابراہیم کمیر پوری مدیر تنظیم اہلحدیث لاہور ہیں۔ جن کے ارشادِ گرامی اور مسلسل توجہ دلانے سے میں نے اس کا آغاز کر دیا تھا۔

اس سے قبل ان سطور کے راقم کے مضامین اور تراجم تو ملک کے مشہور جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ لیکن باقاعدہ کسی کتاب و رسالہ کے ترجمہ میں میری یہ پہلی طالب علمانہ کوشش ہے۔ اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ

کرنا آپ کا کام ہے۔

بزرگوں اور اصحابِ علم و فضل سے اپنی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں پر تسامح اور صرفِ نظر کی توقع رکھتا ہوں، اور علمی حوصلہ افزائی کا اُمیدوار ہوں۔

یہ احسان فراموشی ہو گی اگر میں مُلک کے مشہور اہلِ علم، اور جماعت کے ممتاز فاضل حضرت العلّام جناب چوہدری غلام احمد صاحب حریریؔ ایم۔ اے ایم او ایل پروفیسر اسلامیہ کالج لائل پور کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے اپنی مصروفیات کے ہجوم کے باوجود راقم کی استدعا پر نہ صرف مسوّدہ پر نظرِ ثانی فرمائی، بلکہ گراں قدر ایک محققانہ و عالمانہ دیباچہ (پیش لفظ) بھی سپردِ قلم فرمایا۔

اسی طرح فاضل دوست مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی اور رفیقِ محترم مولانا محمد داؤد مسعود بھی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی مخلصانہ کوششوں سے یہ رسالہ اس گرانی کے دور میں آپ کے ہاتھوں تک پہنچا ہے۔ والسلام

فقیر بارگاہِ صمدی محمد اسلم سیف فیروز پوری

جولائی سنہ ۶۱ء دار العلوم روڈ ٹانوالہ۔ ضلع لائل پور

پیش لفظ
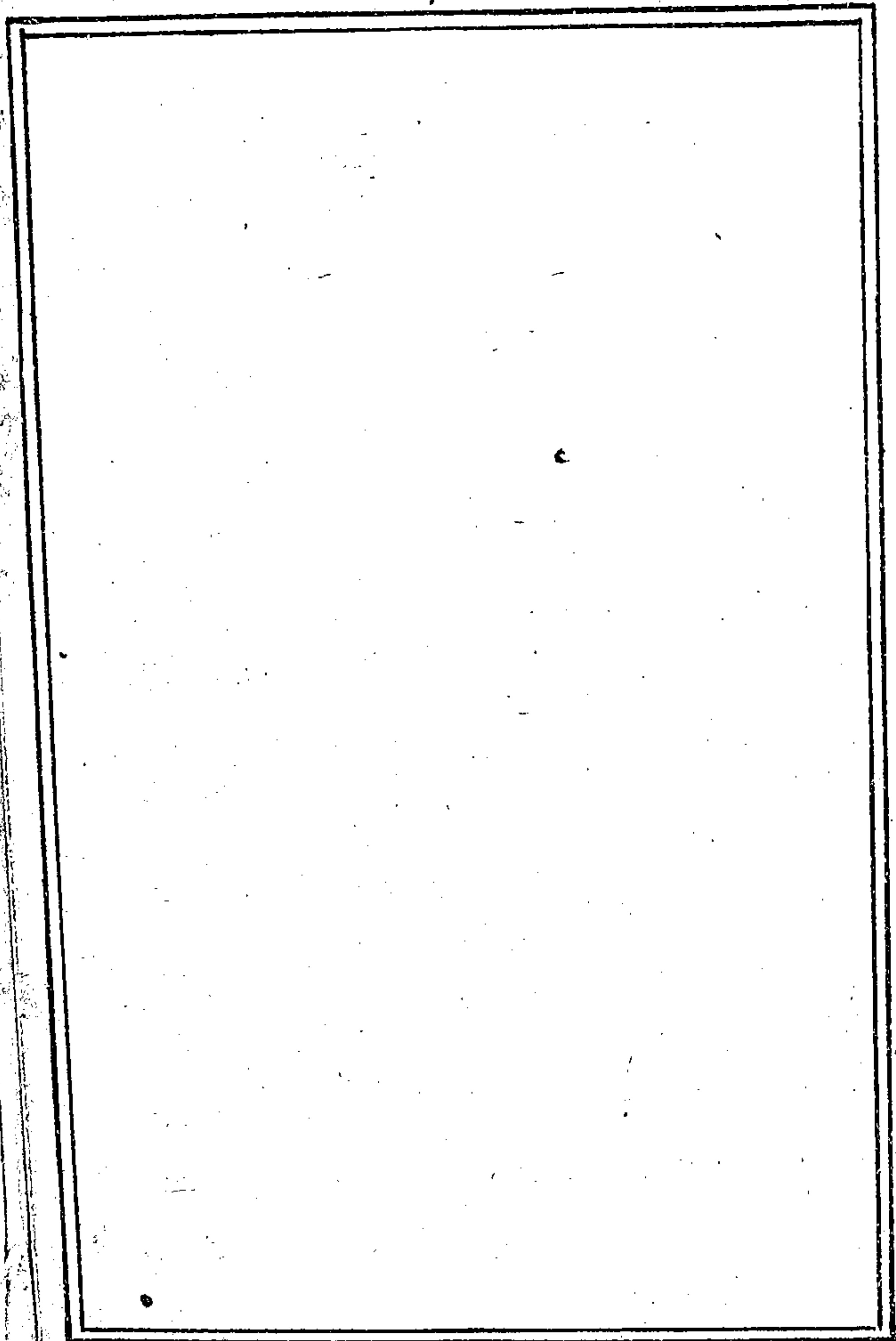
از حضرت العلام چوہدری غلام احمد صاحب حریری
ایم۔اے۔ ایم۔او۔ایل
صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لائل پور

تاریخ مذاہب و ادیان کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ ہر مذہبی تحریک کا ابتدائی دور بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ بادِ مخالف کے تند و تند جھونکے ہر آن انبیاء و مصلحین کی کشتیِ مراد سے ٹکراتے اور ان کے مشن کو ساحلِ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے سے روکتے ہیں کہیں قتل کے چرچے ہوتے ہیں، کہیں جلا وطنی کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کہیں قطع تعلقات کا حربہ استعمال کیا جاتا ہے مخالفین حق و صداقت اور مؤیدین کفر و باطل اس چشمۂ خیر کو بند کرنے کے لئے مؤثر تدبیر، ذرائع و وسائل اختیار کرتے، اور سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ مخالفینِ حق کا یہ طرزِ کار

کچھ ایسا ہمہ گیر اور قدیم ہے کہ کسی زمانہ میں اس کی خلاف ورزی نہیں ہوئی اور تلاش و جستجو سے اس ضمن میں کوئی استثنائی مثال موجود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی آواز بلند کی تو آگ میں جھونکے گئے، موسیٰ علیہ السلام کو وطنِ عزیز چھوڑنا پڑا، عیسیٰ علیہ السلام کو یہودِ بے بہبود نے ہر طرح سے تنگ کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی۔

اپنے آبائی افکار و معتقدات کو کسی تنقید سے بالا خیال کرنا، اور ان کی صداقت و حقانیت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لانا انسانی فطرت ہے۔ اس لئے انبیاءِ عظام کی روح پرور تعلیمات کا انکار کرنے والے ہر دور میں مخالفت کا طوفان برپا کر کے اپنے آباءِ سابقین کی یاد تازہ کرتے رہے۔ قرآنِ حکیم نے انبیاءِ کرام کے تذکرہ کے ضمن میں جہاں ان کی تبلیغی مساعی کا ذکر کیا ہے وہاں اُمّتِ دعوت کے تاثرات اور ردِ عمل کی تفصیلات بھی دی ہیں کہ کس طرح انہوں نے انبیاء کی دعوتِ اصلاح پر لبیک کہنے کے بجائے اپنے محسن مبلغین کو ایذا دے کر انتہائی محسن کشی کا ثبوت دیا۔

حق و صداقت سے خدا واسطے کا بیر رکھنے والے اس گروہ کے عین برعکس معاونینِ حق کی جماعت کا وجود بھی ضروری ہے، جن کے سینے آغازِ کار ہی سے قبولِ حق کے لئے کھول دئیے جاتے ہیں، اور جو ماحول سے

متاثر ہوئے بغیر، اور تقلیدِ آباء کے علی الرغم اس خدائی پیام کو اپنے گوشِ ہوش سے سنتے، اور پورے شرحِ صدر سے اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ ماحول کی ناسازگاری کے باوجود ایمان و ایقان کی دولت کا حصول عین عنایتِ ربانی ہے۔ مگر ؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آغازِ دعوت کے اس نازک دور میں ان مخلص رفقاء کا وجود اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ جنہیں اس آڑے وقت میں انبیاء کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اور جو اپنی بے لوث خدمات سے اس دعوت کے لئے زمین ہموار کرتے، اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے امکانی کوشش سے دریغ نہیں کرتے ان مومنین کاملین کی خدماتِ جلیلہ اس اعتبار سے خصوصی قدر و قیمت کی حامل ہوتی ہیں کہ یہ دور مادی منافع سے قطعاً مبرا، اور حصولِ جاہ و مال کی جاذبیتوں سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ ان کے لئے قبولِ دعوت کا واحد محرک جذبۂ ایمان ہوتا ہے اور اسی کے پیشِ نظر وہ ہزار مخالفتوں کے باوجود، احوال و ظروف کی ناسازگاری سے قطع نظر خلوصِ دل سے اس پر ایمان لاتے، اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

انبیاء کرام کے رفقاءِ اولین کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ پیکرِ خلوص و وفا

اور مجسمۂ ایمان دایمان آغاز دعوت میں کن مصائب کا شکار ہوئے، اور کس طرح حضرات انبیاء پر نازل ہونے والے حوادث و آلام میں برابر کے سہیم و شریک رہے۔

سابقہ اقوام و اُمم جب تکذیب انبیاء کے جرم میں ماخوذ ہوئیں اور عتاب خداوندی ان پر عذاب کی صورت میں نازل ہوا تو دعوت کے یہ اوّلین علمبردار، اور حاشیہ نشینان نبوت انبیاء کے ساتھ اس قہر الہیٰ سے بال بال محفوظ رہے اور اس موقع پر بھی انہیں انبیاء کی معیت کا شرف حاصل رہا۔

سیّد الانبیاء، امام الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوّلین رفقاء کے لحاظ سے باقی انبیاء سے زیادہ خوش نصیب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نسبتاً اس سعادت سے بہرۂ وافر عطا فرمایا۔ مکہ کی مظلومانہ زندگی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت خبابؓ بن ارت حضرت حمزہؓ، حضرت بلالؓ حضرت عمارؓ بن یاسر۔ حضرت سمیہؓ حضرت صہیبؓ رومی، حضرت زبیرؓ بن عوام۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم ایسے مخلص اور وفا شعار رفقاء کا وجود بڑا غنیمت تھا۔ اسلام لانے کے جرم میں یہ جن تکالیف سے دوچار ہوئے اپنے پرائے سب اس سے واقف ہیں، تفصیلات کے لئے طبقات ابن سعد اور

اور البدایہ والنہایہ کا مطالعہ کافی ہے۔ صحابہ رسولؐ کا خلوص اسلام سے وابستگی، اشاعت اسلام کی خاطر جان و مال کی قربانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور وفاشعاری کا جذبہ۔ یہ صفات اس قدر مسلّم ہیں کہ اغیار کو بھی ان ناقابلِ انکار حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکّہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں۔ وہ ریشِ مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے، اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے۔ عروہ سے کہا اپنا ہاتھ ہٹا لے، ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا۔ عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجیب اثر کیا قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔

(بخاری کتاب الشروط فی الجہاد)

کتاب وسنت کے بیشتر نصوص مدح صحابہ رض میں وارد ہیں۔ مشہور حنفی عالم ابن ہمام المسایرہ میں لکھتے ہیں۔

و اعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة والثنا عليهم كما اثنى الله سبحانه و تعالىٰ عليهم اذ قال كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنَّاسِ وقال كَذٰلِكَ جَعَلنٰكُم أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	اہل سنت کا عقیدہ جمیع صحابہ رض کا تزکیہ وطہارت اور ان کی مدح وثنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں فرمایا تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ ہم نے تمہیں ایک عادل جماعت بنایا ہے

تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

(المسامرہ بشرح المسایرہ ص۳۱۴)

علامہ ابن الہمام نے مدح صحابہ رضؓ میں وارد ہونے والی آیات و احادیث کا تفصیلی تذکرہ کیا اور بعد ازاں صحابہ رضؓ کے باہمی مناقشات کے بارہ میں اُمّت کا یہ اجماعی فیصلہ نقل کیا ہے۔

وَمَا جرٰی بَینَ معاویۃ و علیّ رضی اللہ عنہما من الحروب کان مبنیاً علَی الاجتہاد لامنازعۃ من معاویۃ فی الامامۃ

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ حضرت معاویہ کی جانب سے تنازع خلافت کی بنا پر۔

(المسایرہ ص۳۱۴)

مشاجرات صحابہ رضؓ کے بارہ میں اُمّت نے ہمیشہ یہی مختار موقف اختیار کیا اور ان کے باہمی اختلافات کو حسنِ ظن پر محمول کرکے صحابہ رضؓ دشمنی سے امکانی حد تک اجتناب کیا۔ خلافتِ راشدہ کا آخری دور دراصل تفرّق و انتشار کا دور تھا۔ جب کہ اُمّت مسلمہ اس سکون و اطمینان، یگانگت و اتحاد اور جذبۂ مواخات و مروّت

سے بڑی حد تک محروم ہو گئی تھی جو مومنین اولین، اور خلافت راشدہ کے اولین دور کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اس تفرق و انتشام کی وجہ وجیہ عبداللہ بن سبا یہودی نما ابلیس، اور اس کے کاسہ لیس رفقاء کی دسیسہ کاریاں اور ریشہ دوانیاں تھیں۔ عبداللہ بن سبا نے حبِّ اہل بیت کے پردہ میں امت کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اس فتنہ کا بیج بویا جو آخر کار بڑی بڑی لڑائیوں کا موجب بنا۔ مگر اس کی وجہ قطعی طور سے یہ نہیں کہ وہ صحابہؓ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات پیکرِ اسلام اور مجسّمۂ حبِّ رسول ﷺ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی حدود سے بالکل نکل گئے اور ان میں اسلامی تعلیمات کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہا۔ ایسا کہنے والا بڑی جرأت کا ارتکاب کرتا، اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں انتہائی دریدہ دہنی کا ثبوت دیتا ہے۔

دورِ حاضر کے فاضلِ جلیل، اور دینی غیرت سے بہرہ مند مشہور مصری عالم علامہ محب الدین الخطیب نے مشاجراتِ صحابہؓ پر قلم اُٹھایا ہے اور صحابہؓ کے باہمی

اختلافات کا صحیح محمل واضح کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ علّامہ خطیب کا یہ محبوب موضوع ہے اور اس پر انہوں نے متعدّد وقیع اور پُراز معلومات کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کا طرزِ استدلال نہایت متین، زوردار، اور مناظرہ بازی سے قطعاً مبرّا ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے دلائل وبراہین کی روشنی میں کہا ہے، اور کوئی بات ظنّ وتخمین، اور جذباتِ حقد وعناد سے متاثر ہو کر نہیں کہی۔

فاضل نوجوان قاضی محمّد اسلم سیف صاحب مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے علّامہ ممدوح کے اس بیش بہا مقالہ کو اردو کا قالب پہنا کر اردو داں حضرات کو استفادہ کا موقع دیا۔ نومشق ہونے کے باوجود ترجمہ رواں دواں اور کافی سلاست کا حامل ہے۔ میرے خیال میں مترجم اگر اپنی کاوش کو جاری رکھ سکے تو ملک وملّت کی مفید خدمات سرانجام دے سکیں گے۔ بہرکیف اردو داں حضرات کے لیے مقامِ مسرّت ہے کہ وہ اس بیش قیمت مقالہ

سے مستفید ہو رہے ہیں۔

غلام احمد حریری ایم۔اے
پروفیسر و صدر شعبۂ اسلامیات
اسلامیہ کالج لائل پور

۲۵۔اگست ۱۹۶۱ء

مشاجراتِ صحابہؓ پر ایک نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی پیغام کے اوّلین علمبردار

صحابہ کرامؓ کے باہمی ربط و تعلق

اور

اخوت و محبت کی ایک جھلک

حرف اوّل

آیۃ من آیات اللہ۔ رئیس الحفاظ۔ امیر المومنین فی الحدیث۔ امام المحدثین امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جامع الصحیح (بخاری شریف) میں یہ روایت نقل کرتے ہیں عن عمران ابن حصین رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (قال عمران ابن حصین فلا ادری اذکر بعد قرنہ قرنین او ثلاثا) ثم

بعد کم قوما یشھدون ولا یستشھدون و یخونون ولا یؤتمنون ینذرون ولا یفون ویظھر فیھم السمن

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کے اعتبار سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان سے ملتے ہیں (تابعین رضہ کا) پھران لوگوں کا جو ان سے ملتے ہیں (تبع تابعین کا) (عمران بن حصین کہتے ہیں مجھے یہ معلوم نہیں کہ قرنی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا) پھر بلاشبہ تمہارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو بلا مطالبہ خود بخود گواہی دے گی۔ وہ لوگ امانتوں میں خیانت کریں گے۔ ان پہ امانت کا اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ وہ نذریں مانیں گے لیکن انہیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود رضہ سے بھی ایک ایسی ہی حدیث روایت کی ہے۔ اسی طرح یہی حدیث امام احمدؒ نے اپنی مسند میں عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی حدیث اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت کی ہے۔

اِستدراک

خیر القرون کی تحدید و تعیین اُموی خلافت کے انتہا تک ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا اطلاق پہلے دو عباسی خلفاء (ابو عبداللہ سفاح اور ابو جعفر منصور) پر ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر۔ فتح الباری بجزء السابع ص۲ پر اس حدیث کی تشریح کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے، کہ تبع تابعین کی آخری قابل اعتماد شخصیت سنہ ۲۲۰ ہجری تک بقیدِ حیات رہی۔ اور اس وقت بدعات وسیئات، اور فواحش ومنکرات کا ظہور ہوچکا تھا۔ اور معتزلہ کی زبانیں بے لگام ہوچکی تھیں، اور فلاسفہ یونان کی گمراہی کا آغاز ہوچکا تھا۔ اہلِ علم اور محدثین فتنۂ خلق قرآن میں مبتلا کئے جاچکے تھے۔ حالات وظروف یکسر بدل چکے تھے۔ اور یہ معاملہ اس وقت سے لے کر حافظ ابن حجر متوفی سنہ ۸۵۲ ہجری تک برابر کمزوری ونقص میں بڑھتا رہا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق کذب وجھوٹ واضح طور پر ظاہر ہوچکے تھے۔ یہاں تک کہ یہی جھوٹ عام اقوال وافعال اور معتقدات میں شامل ہوچکا تھا۔

ہدایت کا اصل منبع

تمام تر رشد وہدایت جسے اس سے قبل اور بعد آج تک انسانی آنکھ نے نہیں دیکھا وہ ہے جسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے معلم الناس سید ولد آدم

امامُ الاوّلین والآخرین سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے حاصل کیا تھا۔ صحابۂ کرام واقعی طور پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت میں خیرِ اُمّت کے بلند منصب پر فائز تھے۔ اور اس بات کی خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ مقبُول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شہادت دی، اور اس معاملہ کی تائید و تصدیق فرمائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حقیقی معنی میں منبعِ خیر و برکت مخزنِ تقوٰی و طہارت، مصدرِ فیوض و برکات، اور معدنِ علم و فضل تھے اور بلاشبہ تمام تر خیر و برکت وہ ہے جس پر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقدّس ساتھی قائم تھے۔ دراصل تمام تر دین اسی کا نام ہے جس کی صلحائے و اتقیائے تابعین نے اتباع کی۔ اور پھر ان کے اخلاف ان کی پیروی میں احسان و سلوک کے راستہ پر گامزن ہوئے۔

قرآن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام

بعض مؤرخین نے یہ حیرت انگیز افسانہ گھڑا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھی اپنے دِلوں میں ایک دوسرے کے لئے بُغض و عداوت، حسد و کینہ اور نفرت و حقارت کے جذبات رکھتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح میں صحابۂ کرام کے باہمی تعلقات، لین دین اور اُلفت و محبت کو ان الفاظ بیان فرمایا أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الیٰ آخرہٖ۔ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کفار و مشرکین کے بارہ میں نہایت سخت اور

آپس میں انتہائی رحیم و کریم ہیں۔ اور سورۃ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کرام کو اس طرح خطاب فرمایا:۔ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ زمین و آسمان کی میراث وملکیت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے تم میں وہ لوگ اجر و ثواب اور مقام و مرتبہ میں ان کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کے راستے میں مال خرچ کیا، اور خدا کی راہ میں میدان کارزار کو گرم کیا؛ اور ان ہر دو گروہوں سے اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاف بیان فرما دیا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (الیٰ آخرہ) کہ تم تمام انسانیت میں بہترین گروہ ہو جن کی تخلیق کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔ اسی طرح قرآن کریم نے بیسیوں دیگر مقامات پر صحابہؓ کرام کا مقام و مرتبہ اور فضائل و مناقب بیان فرمائے بخوف طوالت ان کے ذکر و اعادہ سے صرف نظر کی جا رہی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی بدنصیب مسلمان باقی ہے جو اس

معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہو، اور خیر القرون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے معزز رفقاء کی تکذیب پر کمر بستہ ہو۔

کتاب اللہ کی بے نظیر حفاظت

اس اُمت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن پاک) کی حفاظت کا انتظام یوں فرمایا کہ امین (صحابیؓ) نے دوسرے امین (صحابیؓ) تک اسے بحفاظتِ تام پہنچایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے کامل اہتمام، پوری سعی و جہد اور حزم و احتیاط سے اپنے رب کی امانت کو ادا فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ سابقہ اُمتوں میں ان کے سے اہتمام، سعی، اعتدال و توازن اور حزم و احتیاط کی نظیر و مثال تلاش کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس باب میں ان کی کوششوں کا یہ عالم تھا کہ عربی زبان میں اختلافِ تلفظ، لہجہ، اختلافِ تلاوت، تنوع، محدود وسائل کے باوجود قرآن کے الفاظ تو کیا زیر، زبر اور پیش میں بھی ادنیٰ فرق واقع نہیں ہوا۔ اور واقعی سورۃ حجر میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

سُنّتِ رسول اللہ کی حفاظت

اسلام کے ابتدائی چند برسوں کے بعد پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں صحابۂ کرامؓ، تابعین عظام اور ان کے ارشد تلامذہ کی ایک مقدس جماعت امانتِ سُنّت کی حفاظت، اور

تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے آپ کو فارغ اور تیار کر چکی تھی
اِس مقدس جماعت کے واجب الاحترام افراد و ارکان ہر وقت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تلاش و جستجو میں
لگے رہتے اور اِس سلسلہ میں دُور دراز سفروں کی صعوبتیں برداشت
کرتے؛ تاکہ یہ ان لوگوں سے براہِ راست احادیث سن سکیں جنہوں
نے انہیں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے
حاصل کیا تھا۔ اور ایک ایک حدیث کو حاصل کر کے یوں خوش
ہوتے جیسے کہ دُنیا کا ایک بیش قیمت خزانہ ہاتھ آ گیا ہو،
بلکہ صدرِ اسلام میں مدینہ منورہ کا دار الامارت اوّلین فقہا کا
مرکز تھا۔ اور یہ لوگ اپنے امیر مروان بن حکم کے پاس جمع ہوتے'
اور اِس سلسلہ میں مروان کی سعی و اہتمام کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے
جب کسی غیر معروف حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف کی جاتی تو وہ فی الفور اس کی تحقیق و تفحص کے لئے اس کے
راوی صحابی یا اُمہات المومنین میں سے کسی طرف پیغام بھیجتا۔ یہاں
تک کہ اس کی حقیقت واضح ہو جاتی۔ (مسند احمد۔ طبع اولیٰ جزء السادس ص ۲۹۹ تا ص ۳۰۶)

اشاعتِ اسلام کا ایک اور طریق

صدرِ اسلام میں ایک جماعت
قرآن کریم اور سُنتِ محمدیہ

علی صاحبہا التحیۃ والسلام کی حفاظت واہتمام اور تبلیغ واشاعت میں مصروف تھی اور شریعتِ کاملہ کی حفاظت کے اصول ومبادی وضع کرنے کی کوشش میں مشغول تھی اور اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ابناءِ صحابہ رض اور تابعین کی ایک جماعت (جنہوں نے اپنے کندھوں پر امامت وقیادت اور تسخیرِ عالم کے بارِ امانت کو اٹھا رکھا تھا) فتح ممالک و بلدان اور اسلامی جہاد کے علم بردار تھے اور کائناتِ ارضی کے شعوب و قبائل، اور اقوام و اُمم کو اسلام کی طرف منتقل کر رہے تھے، ان کی زبانوں کو عربی میں بدل رہے تھے، ان کے نفوس کو اسلام کے رنگ میں رنگین کر رہے تھے۔ اسلامی پرچم کے سایہ میں انسانیت کو ایک ہی ہدایت اور دین کے پلیٹ فارم پر کھڑا کر رہے تھے اور انہیں ایک ہی اسلامی لڑی میں پرو رہے تھے۔ اور عوام کے رُخ کو ہدایت و سعادت کی طرف موڑ رہے تھے۔

صحابہ رض و تابعین کی کامیاب کوشش

اللہ تعالیٰ نے ان مقدس لوگوں کی ان مخلصانہ کامیاب کوششوں میں برکت عطا کی، اور انہیں اس وقت پوری طرح کامیاب فرمایا۔ اور ایک صدی میں ان کے ہاتھوں سے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دئیے جو سینکڑوں سالوں میں اغیار سے

پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے خواہ وہ کسی اسلوب اور طریق کار کے مطابق اسے انجام دیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ اس کی اُمت کے بہترین لوگ ہیں۔ اور آپؐ کی خبر واقعی سچی اور صحیح ثابت ہو چکی ہے۔ بلاشبہ اسلام نے ان کے ہاتھوں کی خیر و برکت کو دیکھا اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے اصولوں کی حفاظت کی، اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دیگر اقوام و اُمم کو ہدایت دی اور ان کی فاتحانہ تگ و تاز اور سعی و عمل سے جو علاقے، اور بلاد و امصار اسلام میں داخل ہوئے ان کے ظلِ عاطفت میں اکابر اہل علم، ممتاز محدثین، اجلہ فقہاء و مفسرین اور یگانۂ روزگار ائمۂ دین نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ امام بخاری، امام ابو حنیفہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن مبارک وغیرہ رضی اللہ عنہم ایسے اکابر و اعاظم ان کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہیں۔ دیگر اقوام و اُمم اور مذاہب و ملل نے ان اکابر کے اخلاص و ایثار، سوزِ اسلام اور دینی درد مندی کو دیکھ کر پورے اخلاص، کامل انہماک، اور بے مثال یکجہتی سے اسلام کی لازوال دولت کو قبول کیا، اور پورے شرح صدر سے اسلام کو حاصل کیا۔ کیونکہ اس وقت اسلام کے دعاۃ و مبلغین ایثار و اخلاص کا مجسمہ تھے اور عوام نے بھی فرقِ مراتب اور اہلیت و قابلیت کا پورا امتیاز قائم رکھا، اور معاملہ کو اس کے حقیقی مقام

تک پہنچایا۔

خیر القرون اور ما بعد کا زمانہ

یہ حالت اور کیفیت ابتدائی تین زمانوں میں برابر جاری رہی۔ کیونکہ ان زمانوں کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی تھی اور زمانہ میں رہنے والوں کی صفت خیر امت کے مبارک و مقدس نام سے بیان کی تھی۔ لیکن ان اَزمنۂ ثلاثہ کے بعد کے زمانوں میں مسلمانوں کو صدرِ اوّل کی اِتّباع و پیروی کی وجہ سے جانچا جاتا تھا۔ حق و صواب اور خیر و شر میں وُہ جو حصّہ لیتے تھے ان کی وجہ سے ان کو تمیز دی جاتی تھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا۔ مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ کہ میری اُمّت کی مثال بارش کی مثال ہے۔ معلوم نہیں بارش کا اوّل حصّہ زیادہ بہتر ہے یا آخری حصّہ۔ امام احمدؒ نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا۔ امام ترمذیؒ نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا۔ ابن حبانؒ اور امام احمدؒ نے بروایت عمارہ بھی بیان کیا ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں حضرت علیؓ سے روایت کیا۔ طبرانی نے اپنے معجم الکبیر میں عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے اسے بیان کیا۔ اور یہ تمام لوگ صحابہؓ تھے۔ اور

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر زمان ومکان میں بہترین اور صاحب خیر و برکت ہے۔ جب تک کہ یہ اسی راہ کی متلاشی رہی جس پر کہ ازمنۂ ثلاثہ (خیر القرون) کے اصحاب ہدایت لوگ چلتے رہے اور انہوں نے ان کی پیروی کی پوری سعی وجہد کی۔ بلکہ اس کی بھی اُمید رکھنی چاہیئے کہ جو لوگ ہمارے زمانہ میں بھی حق وصداقت کو قائم کریں اور دین و شریعت کا احیاء کریں، اور اسلام کی پوری طرح اتباع و پیروی کریں جیسا کہ صحابہ رضو و تابعین رضو نے اپنے زمانوں میں کی تھی تو یہ ان کے (صحابہ و تابعین) اجر و ثواب کو پہنچ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے طبقہ میں شمار کیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا خیال سے ان کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہو جسے امام احمدؒ۔ دارمیؒ طبرانی نے ابوجمعہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ رضی اللہ عنہ نے کہا (یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَدٌ خَیْرٌ مِّنَّا؟ اَسْلَمْنَا مَعَکَ وَجَاھَدْنَا مَعَکَ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِکُمْ یُؤْمِنُوْنَ بِیْ وَلَمْ یَرَوْنِیْ) یا رسول اللہ! ہم سے کون بہتر ہے؟ حالانکہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپؐ کی معیت میں جہاد کا شرف حاصل

گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے، اور مجھ پر ایمان لائیں گے اور انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ الاندلسی علامہ ابو عمر بن عبدالبرؒ نے اس حدیث سے استخراج کر کے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قرن اوّل کے خیر القرون ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے حامی اور نام لیوا اپنے ایمان و اسلام میں کفار کی کثرت دین پر تمسک اور ہدایت پر صبر کرنے کی وجہ سے غریب تھے ویسے انہیں کامیابی اور نصرتِ الٰہی کی امیدیں ضرور تھیں۔ علامہ عبدالبرؒ فرماتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی وہ لوگ جو آخری زمانہ میں ہوں گے۔ جب وہ دین کو قائم کریں۔ اس پر پوری مضبوطی سے تمسک کریں معاصی اور فتنوں کے ظہور کے وقت دین کی اطاعت پر صبر و ثبات کے دامن کو تھامے رکھیں اس وقت یہ بھی غرباء فی الاسلام قرار دیئے جائیں گے اور ان کے اعمال بھی ایسے پاکیزہ ہوں گے جیسے کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے اعمال پاکیزہ تھے، مسلم شریف کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت اس پر شاہد عادل ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ

اسلام کی اجنبیت

اسلام کی غربت یہ ہے کہ ابتدائی قرونِ ثلاثہ کے بعد مسلمانوں میں ایسے مؤرخین و مصنفین ظاہر ہو گئے جنہوں نے شیدایان یا حکام کے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے تاریخ کے صاف ستھرے چہرے کو نہ صرف بدنما کیا بلکہ بالکل بگاڑ اور مسخ کر کے رکھ دیا۔ اور لوگوں کے ذہن کو یہ کہہ کر مسموم کرنا شروع کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں بھائی بھائی نہ تھے۔ اور نہ ہی وہ باہمی رحم و کرم سے پیش آتے تھے۔ بلکہ وہ باہمی دشمن تھے۔ وہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے مکر و فریب اور دھوکا سے پیش آتے تھے۔ وہ باہمی نفاق سے کام لیتے تھے۔ اور ان میں سے بعض بعض کے خلاف بغاوت تمرد اور دشمنی کے منصوبوں میں مصروف رہتے تھے (العیاذ باللہ)

خبردار ایسا ہرگز ہرگز نہیں تھا بلکہ یہ صرف ان دشمنانِ اسلام کا خود ساختہ اور تصنیف کردہ جھوٹ ہے کیونکہ جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس افترا و کذب سے بہت بلند اور اونچے تھے۔ ایسی خرافات کا ان میں شائبہ تک نہ تھا۔ اسی طرح بنو ہاشم اور بنو امیہ اپنے اسلام رشتہ داری اور قرابت کی وجہ

سے ایک دُوسرے کے بہت قریب اور باہمی وفادار، وفا شعار، اور وفا کیش تھے۔ حق و صداقت اور خیر و معروف میں ایک دُوسرے سے بہت تعاون، محبّت اور اخلاص سے پیش آتے تھے۔

بصرہ جیل کا واقعہ

سنہ ۱۳۳۲ ہجری کو بصرہ (عراق) کی سرحد میں جب مَیں انگریز کی قید کے سلسلہ میں بصرہ کی جیل میں مقیّد تھا اُس وقت میرے بعض ملنے والوں نے مجھے بتایا کہ ایک عربی جو ایرانی بستیوں اور دیہات میں آمد و رفت رکھتا تھا اور جسے ایرانی اچھی طرح جانتے پہچانتے بھی تھے، کو قردیوں (متعصب شیعوں) نے یہ جان لینے کے بعد کہ اس کا نام عُمر ہے قتل کر دیا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ عُمر کے نام میں کیا ہرج ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حادثہ صرف امیرالمومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محبّت و عقیدت کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ شیعانِ علیؓ کہلانے کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب کہ وہ اس بات سے بے خبر اور جاہل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنیفہ کے بعد اپنے تینوں بیٹوں کے نام اپنے سچے دوستوں مخلص رفقاء اور اسلامی و دینی بھائیوں ابوبکرؓ، عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی پر رکھے۔

اور اُمِّ کلثوم بنت فاطمہ رضؓ و علی رضؓ ہمشیرہ حسنین رضی اللہ عنہم سیدنا عمر فاروق رضؓ بن خطاب کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ ان کے بطن سے زید اور رقیہ دو بچے ہوئے تھے۔ اور اسی اُمِّ کلثوم نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کے بعد اپنے چچا کے بیٹے محمد بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح کر لیا تھا اور جب وہ بھی فوت ہو گئے تو ان کے بھائی عون بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح کر لیا اور اس کے یہاں ہی انہوں نے وفات پائی۔

آلِ ابُوطالب کے نام اور رشتہ داریاں

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی طرح عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین بن ابی طالب (حضرت علی رضؓ کے حقیقی بھتیجے) نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابُوبکر رکھا اور دوسرے کا معاویہ۔ اسی معاویہ یعنی معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے اپنے ایک بیٹے کا نام یزید رکھا۔ اور عمر بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے عیسٰی بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب جو مبارک العلوی کے نام سے مشہور تھا۔ کی کنیت ابُوبکر تھی۔ اور حسن السبط بن علی بن ابی طالب نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابُوبکر، دوسرے کا نام عمر اور تیسرے کا نام طلحہ رکھا۔ حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے تیمن و برکت کی وجہ سے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ اسی عمر بن زین العابدین کے یہاں بڑی صاحب خیر و برکت اولاد تھی اور اس کی اولاد میں بڑے اعلیٰ پایہ کے علماء، جلیل القدر شعراء اور رفیع الشان شرفاء پیدا ہوئے۔

حسن السبط یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے داماد تھے اور ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ یہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب کی والدہ تھیں۔ یعنی حضرت طلحہ کی بیٹی حضرت حسین رض کی بیوی تھیں۔

سکینہ بنت حسین السبط یہ زید بن عمر بن عثمان بن عفان اموی کی بیوی تھیں اور اس سے قبل ان کا نکاح اصبغ بن عبد العزیز بن مروان بن حکم اموی سے ہوا تھا۔ اور ان کی بہن فاطمہ بنت حسین رض السبط بن علی بن ابی طالب یعنی حضرت علی کی پوتی عبد اللہ الاکبر بن عمرو بن عثمان بن عفان اموی کی زوجہ محترمہ تھیں اور اس سے قبل یہی فاطمہ حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں اور ان کے پیٹ سے ہمارے جد اعلیٰ عبد اللہ المحض پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی فاطمہ کی دادی جو عبد اللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کی بیٹی تھی وہ امیر المومنین عبد الملک بن مروان بن الحکم اموی کی بیوی تھیں۔ عبد الملک کی وفات کے بعد ان سے علی بن عبد اللہ بن عباس رض نے نکاح

کر لیا تھا۔ اور اُمّ کلثوم بنت جعفر طیار رض بن ابی طالب (حضرت علی رض کی حقیقی بھتیجی) یہ حجاج بن یوسف ثقفی کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اور حجاج کی وفات کے بعد ابانؒ بن عثمان رض بن عفان اُموی نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ السیدہ نفیسہ جو مصر میں مدفون ہیں آپ حسن الانور بن زید بن الحسن السبط کی بیٹی تھیں اور امیر المومنین الولید بن عبدالملک کی بیوی تھیں اور ان کے بطن سے ولید بن عبدالملک کی اولاد بھی تھی۔ علی الاکبر ابن الحسین رض بن علی رض بن ابی طالب کی والدہ مُرّہ بن مسعود ثقفی کی بیٹی لیلیٰ تھیں اور لیلیٰ کی والدہ ابو سفیان بن حرب اُموی کی بیٹی میمونہ تھیں۔

الحسن المثنیٰؒ ابن الحسن السبط کی والدہ خولہ فزاریہ ہے جو منظور فزاری کی بیٹی تھیں۔ ان سے قبل یہ محمد بن طلحہ بن عبیداللہ کے نکاح میں تھیں۔ اس سے ان کی اولاد بھی تھی جب وہ جنگ جمل میں قتل ہو گئے تو ان سے الحسن السبط نے نکاح کر لیا اور اسی کے پیٹ سے الحسن المثنیٰؒ پیدا ہوئے۔ ابو سفیان بن حرب اُموی کی بیٹی میمونہ علی الاکبر بن الحسین بن علی بن ابی طالب کی نانی تھیں۔ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں تو ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو العاص

بن الربیع بن عبد شمس بن اُمیہ کی بیٹی امامہ سے نکاح کر لیا۔

اصحابِ عقل و خرد سے ایک دردمندانہ درخواست

ہم اصحابِ عقل و خرد اور اربابِ عدل و انصاف سے ایک دردمندانہ درخواست کے بعد یہ دریافت کرنے کی جرأت کریں گے کہ خدارا عدل و انصاف، عقل و خرد، بصیرت اور فہم و فراست سے کام لیں، اور فرمائیں کہ یہ تعلقات، یہ رشتہ داریاں اور یہ مراسم و روابط دشمنوں کے ہو سکتے ہیں؟ کیا ان کا یوں ایک دوسرے کے ناموں پر اپنے بچوں کا نام رکھنا، اور یہ رشتے ناطے اس بات کے آئینہ دار نہیں ہیں کہ وہ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ اور اَلْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کی صحیح تصویر تھے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کے سچے مظہر تھے۔ ان کی محبت فی اللہ اور اسلامی اخوت ہر شک و شبہ سے بالا تھی۔

حضرت علی رضہ کا ارشاد

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بہ تواتر ثابت ہے، کہ آپ رضہ کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر اکثر طور پر فرمایا کرتے تھے،

خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَکْرٍ رضہ ثُمَّ عُمَرُ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس اُمت میں سب سے بہتر

حضرت ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ رضی اللہ عنہما کی ذاتِ گرامی ہے۔
یہ روایت کوئی اسّی طرق سے بلکہ اس سے بھی زیادہ طرق سے بیان کی گئی ہے۔ امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اس کی صحت وثقاہت اس قدر قوی و مضبوط ہے کہ سکندرِ اعظم (سکندر مقدونی) کی تاریخ، پنولین کی تاریخ بلکہ دنیا کی کوئی تاریخ ثقاہت و صحت کے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور کسی بھی علمی تحقیقی طریق سے اس کی صحت و ثقاہت میں کلام نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ کا ایک اور ارشاد اور متقدمین شیعہ

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے لَا اُوْتٰی بِاَحَدٍ یُفَضِّلُنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ اِلَّا ضَرَبْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ کہ میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہ لایا جائے جو مجھے ابو بکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتا ہو ورنہ میں اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔ یعنی اس کا یہ افترا کہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ سے افضل ہوں اس پر حدِ شرعی واجب کرتا ہے، اسی لئے متقدمین شیعہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی فضیلت پر متفق ہیں، علامہ عبد الجبار ہمدانی نے اپنی کتاب تثبیت النبوۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو القاسم نصر بن الصباح البلخی نے کتاب النقض

ابن الراوندی ہیں کہا کہ کسی سائل نے شریک بن عبداللہ سے سوال کیا کہ ابوبکرؓ زیادہ افضل ہیں یا علیؓ؟ اس نے جواب دیا، کہ ابوبکر زیادہ افضل ہیں۔ سائل نے پھر یہ اعتراض کیا کہ تم یہ کہتے ہو حالانکہ تم خود شیعہ ہو۔ شریک بن عبداللہ نے کہا، اور ہاں میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو ایسا نہیں کہتا ہے وہ درحقیقت شیعہ ہی نہیں ہے۔ خدا کی قسم علی کرم اللہ وجہہ نے ان لکڑوں (منبر) پر بارہا چڑھ کر یہ فرمایا تھا اَلَا اِنَّ خَیْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ کہ خبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ ہیں۔ ہم علیؓ کے قول و ارشاد کی تردید و تکذیب کیسے کر سکتے ہیں؟ خدا کی قسم حضرت علیؓ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اور نہ ہی وہ اپنی کسی بات میں جھوٹے تھے۔

یحییٰ بن یعمر کا واقعہ اور ایک لطیف نکتہ

علامہ قاضی ابن خلکان نے یحییٰ بن یعمر العدوانی کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ بن یعمر کی بنو لیث کے یہاں آمد و رفت تھی، اور لیثی ان کے حلیف تھے۔ اور یحییٰ بن یعمر ان متقدمین شیعہ میں سے تھا جو کسی صاحب فضیلت بزرگ کے فضل و منقبت اور عظمت و رفعت کی تنقیص و قدح کے بغیر اہل بیت کے فضل و منقبت

کے قائل تھے۔ اور انہوں نے (قاضی ابن خلکان نے) یحییٰ بن یعمر کا حجّاج بن یوسف ثقفی کے ساتھ ایک قصّے کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہ یحییٰ بن یعمر نے حجّاج بن یوسف کے سامنے یہ کہا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذرّیت و اولاد میں شامل ہیں اور ان کا استدلال اس آیت سے تھا وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اور اسے زَکَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی تک ذکر کیا۔ یحییٰ بن یعمر نے کہا۔ دیکھئے کہ عیسیٰ اور ابراہیم علیہما السّلام کے مابین کس قدر طویل فاصلہ ہے باایں ہمہ عیسےٰ علیہ السّلام کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسنؓ و حسینؓ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مابین تو کوئی خاص فاصلہ بھی نہیں ہے پھر انہیں اولادِ رسولؐ میں کیوں نہ شمار کیا جائے؟ حجّاج اس لطیف علمی نکتے پر عش عش کر اُٹھا، اور اس کے بعد حجّاج کی نظروں میں یحییٰ بن یعمر کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ حجّاج نے اسے نہ صرف اچھا سمجھا بلکہ اس کے تشیّع کے باوجود اسے خراسان کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ حجّاج بنی امیہ اور بالخصوص شیعہ کے بارے میں کس قدر سخت تھا۔ لیکن وہ اس شدّت و سختی کے باوجود معتدل اور تفضیلی شیعہ سے حق و صواب کی

بات قبول کرنے میں کوئی عار اور باک محسوس نہیں کیا کرتا تھا۔

متاخرین کی بدنصیبی

اوپر کی سطور میں آپ حجاج بن یوسف کا کردار ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ مابعد کے جھوٹے شیعہ اور غلط دعوے داروں سے عدل و انصاف میں کس قدر آگے تھا اور انصاف کی بات کو کس قدر خوشی سے قبول کرنے والا تھا۔ اس کے بالکل برعکس متاخرین کس قدر بدبخت، اور بدنصیب ہیں کہ ان اکابر اسلاف اُمت، اور بزرگوں کے درپئے آزار ہیں۔ یہ کس قدر احسان فراموشی ہے کہ جن لوگوں نے خیر و معروف اور اسلام میں مسابقت کا مظاہرہ کیا، دین کی ترقی اور اسلام کے عروج میں تن من دھن کی بازی لگا دی، اور اس سلسلہ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ آج ان قدسی الاصل اکابر پر نہ صرف اعتراضات کیے جاتے ہیں، بلکہ ان کے ایمان میں کیڑے نکالنے کی ناکام کوششیں کی جاتی ہیں اور اپنی زبان و قلم کا پورا زور انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے دستِ حق پرست پر مشرق سے مغرب تک ممالک و اقطار، اور امصار و بلدان فتح ہوئے۔ اور ان کی کوشش، برکت اور دعوت

سے صفحۂ ارضی کی اقوام و اُمم دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر دین کی لازوال دولت سے مالامال ہوئیں۔ یہ تمام اسلافِ اُمّت، اعاظم رجال، بزرگانِ دین اور رُفقائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خیر القرون میں شامل و شریک تھے۔ اور خیر القرون سے متعلق مخبرِ صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت باقاعدہ موجود ہے۔ یہ تمام اسلافِ اسلام ننھیال و ددھیال، رشتہ داری رحم و ترحم، مصاہرت اور دینی علاقہ و تعلق الغرض کسی نہ کسی جہت سے یہ بنو ہاشم اور اہلِ بیت سے منسلک و متعلق تھے۔

حجاج بن یوسف بھی گزرے

ان عظیم اسلاف کے سلسلہ میں

یہ بدنصیب لوگ کس قدر ظلم و زیادتی سے کام لیتے ہیں؟ اور ان اکابر کی بلند سیرتوں کا ذکر جھوٹ یا دشمنی کی بنا پر ہمیشہ برائی سے کرتے ہیں۔ ان اکابر کے لئے یہ کس قدر بے انصافی اور حق و صواب سے گریز کی راہ کو پسند کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خوئے حق و انصاف سے گریز و فرار کے لحاظ سے یہ حجاج بن یوسف سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ایک طرف تو یہ حجاج بن یوسف کی داستانِ مظالم بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ لوگ حجاج بن یوسف

کے مقام پر ہوتے تو صلحاء و اتقیاء کی گرفتاریوں، ایذا رسانی اور ان کے قتل و ضرب کے الزامات سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکتے۔ بلکہ ان سے بھی چند قدم آگے بڑھ جاتے۔ اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ یہ ان خوبیوں فضائل و محامد اور فتوحات کے کارناموں سے یکسر عاری ہوتے جن جلیل القدر اوصاف سے حجاج اپنے جور و ستم کے باوجود متصف تھا۔ کیونکہ حجاج بن یوسف کی نگرانی و زیرِ ہدایت فاتحین اور کامیاب جرنیلوں کی ایک پوری ٹیم تھی جو میدانِ کارزار میں مصروفِ عمل تھی۔ اور یہی جرنیل تینوں مشرقی محاذوں پر ایشیائی ممالک کی فتوحات میں مصروف تھے اور ان علاقوں کو اسلامی قلمرو میں شامل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی فتوحات کی یلغار کے سامنے سندھ کے صحرا، ملتان کے ٹیلے و دریا۔ ہندوستان کے اونچے پربت، افغانستان کے دشوار گزار پہاڑ اور خراسان و ترکستان کی ناقابلِ عبور گھاٹیاں اور غاریں بھی نہ ٹھہر سکیں

حضرت علی مرتضیٰ اور اصحابِ ثلاثہ

حضرت علی رضی مرتضیٰ اور اصحابِ ثلاثہ کے باہمی تعلقات و روابط اور محبت و الفت کا اندازہ اس سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر آپ کے فضائل و مناقب، محامد و محاسن، اور مقام و مرتبہ کے متعلق

امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جو فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اور جس سوز و گداز اور والہانہ محبت کے جذبات میں ان کا تذکرہ فرمایا، اور اس میں جس فصاحت و بلاغت سے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا وہ بھی صرف حضرت علیؓ ہی کا حصّہ تھا اور آپ کا یہ خطبہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے صفحات میں گزشتہ نسلوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق اس سے بڑھ کر فصیح و بلیغ اور دقیق خیالات کہیں سے نہیں مل سکتے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت و امارت میں حضرت علیؓ۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ مبایعین میں باقاعدہ داخل ہوئے، اور پھر عمر بھر ہر طرح سے نباہ کیا۔ بلکہ آپؓ حضرت عمرؓ کے سب سے بڑے معاونوں اور مددگاروں میں سے تھے، اور ہمیشہ حق و صواب، عدل و انصاف، اور دین و شریعت کے باب میں غیر مشروط طور پر دلی مسرت کے ساتھ ان سے تعاون کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ ہمیشہ نیکی و بھلائی سے حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے، اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے۔

اور یہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دینی اخوت، اور حضرت عمرؓ سے مصاہرت کے بعد اپنے دو لڑکوں میں سے ایک کا نام

ابُوبکر صدّیق، اور دُوسرے کا نام عمر فارُوق رکھا۔ اور حضرت عثمان کے مقام و مرتبہ کو ملحُوظ رکھتے ہُوئے تیسرے لڑکے کا نام عثمان رکھا۔ کیونکہ اگر حضرت عثمان غنی بلوائیوں، فتنہ بازوں، اور عبداللہ بن سبا یہُودی کے ساتھیوں پر حجّت قائم کرنا نہ چاہتے۔ فتنہ و فساد کے اس پروگرام کو وسعت و پھیلاؤ سے دُوسرے طریق سے روکتے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی حفاظت و مدافعت سے بایں ارادہ نہ روکتے، کہ مبادا اس سے مسلمانوں میں تلوار چل نکلے، اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے اور اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنّت و شہادت سے متعلق عظیم الشّان بشارت کو ذہن نشین نہ رکھتے، تو یقیناً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، مہاجرین اور انصار اس سلسلہ میں اپنی جانوں تک کی بازی لگا دینے سے دریغ نہ کرتے۔ اور ہر قسم کے ایثار اور قربانی کے لیئے وہ تیار تھے۔ اور حضرت علی رضؓ یقیناً و لازماً اس مقدّس جماعت کے مُقدّمۃ الجیش کے سالارِ اعلیٰ ہوتے، کیونکہ تمام صحابہ رضؓ، مہاجرین و انصار آپ کے دفاع و حفاظت کے لیئے بالکل تیار تھے۔ آپ ہی نے انہیں منع فرما دیا تھا کہ مبادا میری خاطر کسی مسلم کا خون ناحق بہ جائے۔

حضرت عثمان رضؓ کے منع کرنے کے باوجود حضرت علی رضؓ نے اپنے دونوں

صاحبزادوں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو باب عثمانؓ پر حضرت عثمانؓ کی حفاظت و مدافعت کے لئے بھیجا۔ اور انہیں تاکید کی، کہ جاؤ وہاں حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرو، اور ہر معاملہ میں ان کے حکم کی اتباع و پیروی کرو۔ اور عثمانؓ جو چیز چاہیں، تم اپنے باپ (علیؓ) کو اس کی خبر کرو۔ تاکہ میں ان کی ضروریات کو پورا کروں۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے آپس کے تعلقات کس قدر مضبوط تھے۔

تاریخ کی تکذیب

یہ اللہ تعالیٰ اور تاریخ پر افترا ہے، جیسے ان جھوٹے فتنہ بازوں نے اختراع کیا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لئے ان کے دروازے پہ پہرا دینے کے لئے کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ اور یہ کہ ان دونوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی حکم کی پابندی و اطاعت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی وہ اس کے لئے آمادہ تھے۔ افسوس یہ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ مسلمہ حقائق کی تکذیب پر تلے بیٹھے ہیں۔

اسلاف کی عادت

ہمارے اسلاف کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ وہ زمانہ کے حالات

واقعات، اور رُدات کے تراجم وسیر مدوّن کرتے رہے ہیں، اگر کوئی انصاف پسند اہلِ علم ان اخبار و واقعات کی علمی وتحقیقی قدر وقیمت معلوم کرنا چاہیے، یا وُہ مجھ سے پُوچھے کہ تم نے یہ اخبار کہاں سے حاصل کی ہیں؟ تو میں انہیں مشورہ دُونگا کہ وُہ ہر سند کے ہر راوی کے ترجمہ وسیرت کی طرف رجُوع کرے اور اسماءُ رجال کی کتب کا مطالعہ کرے۔ تو یقیناً اس کے لیئے اخبار و واقعات کی حقیقت واضح ہوجائے گی اور اسے صاف معلوم ہوجائے گا کہ صحیح ترین اخبار وُہ ہیں جنہیں اہلِ صدق اور انصاف پسند راوی روایت کرتے ہیں اور ان اخبار و روایات سے ثابت ہوجائے گا کہ لاریب اس تختۂ زمین پر پُوری انسانیت میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی تقویٰ وطہارت کے حامِل، اور اپنے امتیازی اوصاف کے اعتبار سے اعلٰے اور ارفع تھے۔

اور اس کے برعکس وُہ اخبار و روایات جو صحابہ کرام رضی کی سیرت وتراجم کو بگاڑتی ہوں اور ان پر بدنما داغ لگاتی ہوں اور یہ وہم دلاتی ہوں کہ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ! صحابہ رضی کرام نہایت صغیرالنفس، قلیل الحوصلہ اور اخلاقی و انسانی طور

یہ بالکل کم مایہ اور بے بضاعت تھے تو یقین کر لیجئے کہ یہ ان جھوٹے مجوسیوں کی کارستانیاں ہیں جو مسلمانوں کے سے نام رکھ کر، اور اسلامی لباس زیب تن کرکے اس کے اوّلیں علم برداروں اور بانیوں کو بدنام کرکے، اور ان پر مکروہ و ذلیل اعتراضات کرکے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کی مذموم کوششوں میں مصروف رہے ہیں۔

چند سوالات

ممکن ہے کہ آپ مجھ سے دریافت کریں کہ شیعیت کا اصل کیا ہے؟ کیا صدرِ اوّل میں بھی علی رض کے شیعہ موجود تھے؟ واقعۂ جمل کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا اصل باعث اور سبب کیا تھا؟ اور مسئلہ تحکیم کی حقیقت کیا ہے؟

بلاشبہ ان تمام سوالات کا صحیح اور مستند جواب وہی ہے جس کی طرف حق پسند مصنفین کے قلوب و اذہان مائل ہیں۔ اب یہ تمام مختلف مشارب و مسالک، مختلف مذاہب اور مکاتیب فکر اس امر کے نہ صرف متقاضی بلکہ محتاج ہیں کہ مسلمانوں کی جدید، اور مستند تاریخ مرتب کرنی چاہیئے اور اس کی ترتیب و تدوین کے وقت دین، شریعت۔ اسلام اور تاریخ کے خالص اور شفاف

سرچشمے پیشِ نظر رہنے چاہئیں - یعنی ان خالص اور غیر آلودہ سرچشموں سے اخذ و اکتساب اور استفادہ کرنا چاہیئے جو با انصاف اہلِ علم مسلمانوں کے نزدیک مسلّمہ ہیں، اور ان سرچشموں سے کُلّی اجتناب و احتراز کرنا چاہیئے جنہیں اہلِ ہوس، اسلام کے نادان دوستوں، اور مفاد پرست مصنّفین نے اپنے ذاتی اغراض کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھایا اور ان کی اصلیت و حقیقت رفض و بدعت اور مجوسیت اور باطل کے دبیز پردوں میں دب کر رہ گئی - اس مقام پر میں اپنی اسی بات کو دہراتا ہوں جو بارہا کر چکا ہوں کہ لاریب اُمّتِ مسلمہ کا دامن دنیا کی تمام اقوام و امم سے اس اعتبار سے بہت مالامال ہے کہ اگر یہ مسلّمہ صداقت، اور حقیقتِ صحیحہ پر اپنی تاریخی عمارت استوار کرنا چاہے تو یہ کام نہایت آسانی سے انجام دے سکتی ہے - یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقتِ ثابتہ ہے کہ دُنیا کی دیگر اقوام و اُمم نے اس طرف بہت کم توجہ دی ہے - یعنی صحیح تاریخ کی بُنیاد و اساس اُستوار کرنے کی انہوں نے کوشش ہی نہیں کی - اور نہ ہی ان کے پاس علمی سرمائے کی اس قدر فراوانی تھی جس کے اعتماد پر وہ یہ عزم لے کر اُٹھتے -

قدیم کتابوں کی حقیقت اور عوام کا علمی مذاق

اس وقت عوام بلا امتیاز مذہب

ملت اور ملک و نسل اگر قدیم کتب اور تاریخ کے اصلی مصادر و منابع
کو پڑھنا چاہیں، اور مطالعہ کے ذریعے ان کی حقیقت سے باخبر ہونا
چاہیں تو وہ ان میں کچھ افسانوی حکایات۔ کچھ ایسی باتیں جو
عقلیت پرست اور مادیت زدہ ذہنوں سے میل نہیں کھاتیں،
جب انہیں پڑھتے ہیں تو چونک اُٹھتے ہیں اور ان کی تغلیط و تردید
کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ یہ بھول جاتے
ہیں کہ ان قدیم کتابوں کے بعض مؤرخین و مصنفین نے اپنے زمانہ تاریخ
میں اس اندیشہ کے پیش نظر اخبار و واقعات کو کسی تحقیق و تدقیق
اور تفتیش و تمحیص کے بغیر قلم بند کر لیا تھا کہ مبادا یہ کہیں ضائع
ہو جائیں۔ اس دوران میں انہیں جو چیز جہاں سے اور جس سے ملی
وہ بے دریغ نوٹ اور درج کرتے چلے گئے۔ اب تاریخ کے
ایک قاری کا علمی اور دیانتدارانہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ تاریخ کے
اصلی مصادر و منابع پر نظر رکھے اور اس وقت کے ماحول و وقت
کی نزاکت بھی پیش نظر رہے۔ اور اخبار و روایات کے رُوات
کی سیرت کا مطالعہ اسماء رجال کی روشنی میں کرے۔ یقیناً صحیح و
سقیم، اور ضعیف و ثقہ اس کے سامنے واضح ہو جائیں گے
کیونکہ امتدادِ زمانہ اور مرورِ ایام کی وجہ سے اکثر قارئین

ان راویوں کے صدق و کذب، علمی مراتب و مدارج۔ حق و صواب میں ان کی ذہانت شعاریوں، ہوا و ہوس کی طرف ان کے طبعی میلانات سے ناواقف محض اور بالکل بے خبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تاریخی مصادر سے صحیح استفادہ نہیں کر پاتے، اور نہ ہی وہ ان کتابوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جن پر کسی تحقیق و تفحیص کے بغیر اعتماد و بھروسہ کر لیا گیا ہے۔ عوام میں علمی مذاق، تحقیقی شعور اور تاریخی ضیاع کا احساس افسوسناک حد تک مفقود ہے۔

گروہی عصبیت

ان بعض قدیم کتابوں کے رطب و یابس کے ساتھ ساتھ دوسری روح فرسا اور اذیت ناک یہ بات ہے کہ ان قدیم کتابوں کے مولفین و مصنفین، اور ان اخبار و روایات کے اکثر راوی باستثناءِ چند کسی نہ کسی مذہبی رنگ میں رنگین، اور کسی نہ کسی گروہ اور جتھے کے حامی تھے۔ پھر ان کی اس غلط روش اور تنگ نظری نے ان اخبار و روایات کو اپنی گروہی عصبیتوں اور دھڑے بندیوں کی بھینٹ چڑھا دیا، اور ہر چیز پر اپنی مذہبی چھاپ لگا کر اور جماعتی رنگ چڑھا کر اس کی اصلی حقیقت

کو دبیز پردوں میں نہ صرف چھپا دیا، بلکہ اس کی روح اور جان کو فنا کے گھاٹ
اُتار دیا۔ ان کی یہ جتھے بندی اور گروہ سازی علم و فضل اور تحقیق و دیانت کے
منافی تھی جو بالآخر ان کے علمی دیوالیہ پن کا باعث بنی۔ کیونکہ پھر ان کے نزدیک
اپنے جماعتی اغراض ہر چیز سے مقدم قرار پائے اور انھوں نے ہر تاریخی امر کو
اپنے قالب میں ڈھالنا، اور ان پر جماعتی چھاپ لگانا شروع کر دیا۔
اور جب کسی قوم میں یہ پست ذہنیت، اور ذلیل مفاد پرستانہ رجحان جنم لے
لیتا ہے تو علم و فضل اور تحقیق و دانش ان سے رخصت ہو جاتی ہے

جدید کتابوں کی بے مائگی

لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا
اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ
موجودہ نئی کتابیں مثلاً جرجی زیدان کی تصنیفات۔ بعض مستشرقین کی
قلمکاریاں، اور بزعم خود ان کی علمی تنقیحات، اور تحقیقی شہ پارے
وہ بھی اس قابل نہیں کہ ان پر بھروسہ و اعتماد کر لیا جائے کیونکہ یہ
کسی علمی بصیرت، دینی تحقیق، اور تاریخی ریسرچ پر مبنی نہیں، بلکہ
صرف کتب برائے کتب ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ان
مستشرقین سے اپنی اسلام دشمنی کی روح بھی چھپ نہیں سکی، اور نہ
ہی انھوں نے اس باب میں کسی محنت شاقہ اور علمی تحقیق کا ثبوت
دیا ہے بلکہ ان کی اکثریت تو مکھیوں پر مکھیاں مارتی چلی گئی ہے

اِس لئے ان کی تصنیفات اور مؤلفات علمی طور پر بے مایہ، تحقیقی طور پر بے بضاعت اور تاریخی لحاظ سے بالکل ناکافی ہیں۔

اُمّتِ مسلمہ کی محرومی

یہ منظر کس قدر رُوح فرسا ہے کہ وُہ اُمّت جو مصدرِ علوم، منبعِ فنون معدنِ تحقیق و تدقیق اور مرکزِ عقل و دانش تصوّر کی جاتی تھی۔ آج وُہ اپنی غفلت، شومیٔ قسمت، اور حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے تمام علمی فیوض و برکات سے یکسر محرُوم ہے۔ اس کا سب سے اہم اور عظیم سرچشمہ علم و ہدایت سے مضبوط وابستگی تھا۔ جس سے اس کا لاابالی پن مشہور ہے اور اس کی اسے پرواہ اور احساس تک نہیں۔ حالانکہ ان کے شاندار ماضی کی عظمت کا سب سے بڑا راز ایمان سے وابستگی میں تھا۔ اور آج بھی عظمت رفتہ کو واپس لانے کی ایک ہی صورت ہے کہ مسلمان ایمان سے مضبوط علاقہ و تعلق پیدا کریں۔ اور آپ ان عظیم اسلاف کے جانشین ہیں جو ایمان کی بلندی و مضبوطی کے لئے تن من اور دھن کی بازی تک لگا دینے کو زندگی کا ایک بالکل آسان مرحلہ خیال کرتے تھے۔ اور نہیں تو کم از کم آپ اپنے عظیم اسلاف کی حیاتِ مقدسہ ہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ کیونکہ تاریخ نے ہمارے اسلاف کی سی پاکیزہ، صاف ستھری، واضح اور بہترین سیرت آج تک نہیں دیکھی۔ آج بھی ان کے قدم بقدم چلنے سے ہمارے بہت

سے رُوحانی اخلاقی اور علمی امراض دُور ہو سکتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان

اللہ تعالیٰ کا بجائے خود ہم پر یہ بہت بڑا احسان اور مہربانی ہے کہ اس نے محدثین اور علمائے اہلحدیث سے روایات واخبار کے راویوں کے تحقیقی حالات اور حامیین امانت سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب ومدارج ترتیب دینے کی توفیق عنایت فرمائی اور اس سلسلہ میں اس ممتاز جماعت نے ایک نئے اور عظیم فن (اسماءِ رجال) کو وضع کیا۔ اور اس موضوع پر بیش قیمت ضخیم کتابیں اور عظیم المنفعت معاجم تصنیف فرمائے۔ اب اگر کوئی انسان اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہے تو اسے اس عظیم فن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یقیناً اس کے استفادہ سے جلیل القدر تحقیقات اس کے سامنے آئیں گی اور تمام مسائل پر وہ سیر حاصل لکھ سکے گا اور پھر اس کی علمی حیثیت، دینی بصیرت، تحقیقی وقعت اور تاریخی عظمت کو ہر پڑھا لکھا انسان نہ صرف تسلیم کریگا بلکہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھے گا۔ اور اسلامی تاریخ وسیر کی یہ عظمت تاریخ کے متعدد ہولناک اور روح فرسا حادثات کے باوجود بھی اپنے مقام پر قائم ہے

تاریخی حادثات

اس حقیقت کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں

ہے کہ اکثر نفائس اور اُمہات الکتب ہلاکو خاں کی یلغار، سقوطِ بغداد
خلافتِ عباسیہ کی تباہی، صلیبی جنگوں اور اندلس کی تباہی و بربادی
کے وقت دریاؤں، سیلابوں، طوفانوں، آندھیوں، اور اغیار
کی تباہ کاریوں کی نذر ہو گئیں اور بیشتر کتابوں کو دشمن نے
نذرِ آتش کر دیا۔ اور آخری زمانوں میں تو علمی طور پر مسلمانوں
میں بالکل تنزل و انحطاط واقع ہو گیا تھا۔ لیکن ان بے پناہ
نقصانات اور جاں گسل تباہیوں کے باوجود محققین کی تحقیقات
کو بعض اہلِ علم، اور علم نواز علمائے نے پھر سنبھالا دیا جس کی وجہ سے
پھر سے یہ قدرے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں اور یہیں سے
مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ اور جدید انقلاب کے دور کا آغاز ہوتا
ہے۔ اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسلاف کی علمی کاوشوں کو پھر سے
لے کر اُٹھیں، اور ان کی علمی، دینی، تحقیقی اور تاریخی خدمات کو پھر
سے عوام کے سامنے پیش کریں۔

چند سوال اور ان کے جواب

اب میں ان مذکورہ بالا سوالات کی طرف
آتا ہوں جو اصل فتنہ اور تشیع سے متعلق کیے گئے تھے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ تبوک شام کی طرف جانے

وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا اور یہ فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مقام و مرتبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا تھا۔ صرف اتنی بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مورخین، محدثین اور دیگر اہلِ علم حضرات کا یہ خیال ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلا فصل کا مطلب نہیں سمجھا تھا اور ان کے خیال کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس وقتی امارت اور چند گاہی جانشینی سے مستقل خلافت بلا فصل کا مطلب اخذ کیا جائے گا۔ محدثین اس حدیث کی صحت و ثقاہت کے درجہ و مرتبہ میں مختلف ہیں۔ بعض اسے صحیح قرار دیتے ہیں، بعض اسے ضعیف گردانتے ہیں۔ امام ابو الفرج ابن جوزی اس طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث سراسر موضوع اور مکذوب ہے۔ جب ہم حدیث فہمی کے پیمانوں کے ذریعے اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ معاملہ یہ ہے کہ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبوک کی طرف جانے کا پروگرام مرتب فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ ہی میں قیام فرما رہیں، اور مدینہ میں ان کی جانشینی کے فرائض انجام دیں۔ اس وقت مدینہ کی پوزیشن یہ تھی کہ صاحب قوّت وطاقت۔ ارباب شجاعت وبسالت اور میدان حرب وضرب کے دھنی اشخاص وافراد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت جہاد وجنگ کے لئے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیت وقیادت میں تبوک کی طرف نکل چکے تھے تو ایسے میں علی ایسا شجاع، بہادر، تلوار کا دھنی اور میدان کارزار کا شہسوار عورتوں اور بچوں کی طرح کب خاموشی سے بیٹھ سکتا تھا؟ چنانچہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غمگین اور افسردہ خاطر ہونا ایک یقینی امر تھا۔ آپؓ کی رگ شجاعت وبسالت میں حرکت پیدا ہوئی، اور آپؓ کے جوہر شمشیر زنی نے انگڑائی لی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یوں عرض گزار ہوئے اَتَجْعَلُنِیْ مَعَ النِّسَاءِ وَالْاَطْفَالِ وَالضَّعَفَةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَطْیِیْبًا لِنَفْسِهٖ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کہ آپ مجھے عورتوں بچوں اور کمزور لوگوں کے

سائے پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل خوش کرنے کی غرض سے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہارا مقام میرے نزدیک وہی ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کا تھا؟ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تھے اور وہاں کئی راتیں بسر کرکے، اور تختیاں لے کر واپس ہوئے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا گئے تھے۔ حضرت علی رضی کی یہ خلافت و جانشینی بھی بالکل اسی نوعیت کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہم وخیال میں بھی اس استخلاف علی المدینہ اور وقتی جانشینی کے یہ وہمی وخیالی معنی ہرگز نہیں تھے جیسے بعد کے آنے والے گروہ سازوں نے اپنی حزبی اغراض اور جماعتی عصبیت کی خاطر اختراع کیا، بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس استخلاف علی المدینہ کو جنگ وجہاد کے اجر وثواب سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے اور اس اونچے مقام ومرتبہ سے پیچھے رہ جانا ان کو گوارا نہ تھا، اور آپ رضی اسے نہ مناسب خیال کرتے تھے کہ ان کے دیگر مسلمان

بھائی اور صحابہ رضؓ کرام کی جماعت اسلامی قلمرو کی وسعت اور اسلامی سلطنت کی مضبوطی واستحکام کے لئے اپنی عزیز جانیں پیش کریں، اور علی رضؓ ان سے پیچھے رہ جائیں۔ تب ہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استفسار کیا تھا

یہ جانشینی صرف حضرت علی رضؓ کے ساتھ مخصوص نہیں

دیگر مقام غور یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں وقتی امارت، ہنگامی جانشینی اور عارضی استخلاف کے سلسلہ میں صرف حضرت علی رضؓ ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ آپ نے متعدد بار متعدد صحابہ رضؓ کرام کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ منورہ پر امارت وجانشینی کے تو سبھی معترف ہیں، اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ابن ام مکتوم کو حضور علیہ السلام نے متعدد بار مدینہ منورہ پر خلیفہ وجانشین مقرر کیا اور ابن ام مکتوم مدینہ منورہ پر اپنی امارت وخلافت کے زمانہ میں لوگوں کی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اب کسی گوشہ سے کسی نے کبھی بھی عبداللہ بن ام مکتوم کی خلافت بلا فصل کا سوال

نہیں اٹھایا۔ آخر کیوں ؟

نجف کا اجتماع

سنہ ۱۱۵۶ھ کو جب نادر شاہ نے نجف میں شیعہ علمأ کا ایک زبردست اجتماع منعقد کیا تھا تو شیعہ علمأ نے اس حدیث سے خلافت علی رضؓ بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اس وقت ایک بہت بڑے سنی عالم علامۂ عراق السید عبداللہ السویدی نے ان کے اس دعویٰ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں اور اسے پوری قوت سے باطل قرار دیا تھا۔ اس کی اصل حقیقت اپنے قلم حقیقت رقم سے واضح کردی تھی۔ "مؤتمر نجف" کے نام سے ہم نے جو رسالہ طبع کیا تھا اس میں علامۂ عراق کی مفصل تقریر بھی شائع کردی تھی۔

حضرت علی رضؓ اسے خوب جانتے تھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسے خوب جانتے تھے کہ خلافت حقہ وہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام اجماع کر چکے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے یوم ازل ہی سے اپنی حکمت اور عدل و انصاف سے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق مقدر کر دیا اور خود اس ترتیب کا فیصلہ فرما دیا۔ حضرت علی رضؓ

کی علوِّ منزلت، رفعتِ شان، بلندیِ منصب، اور عظمتِ مقام کے باوجود خلافت کے معاملہ میں ان سے آگے بڑھنا اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کے لئے یہ مناسب ہے کہ اس کے فیصلہ کے خلاف تمرّد و بغاوت کے راستہ پر چلے۔ یعنی اس ترتیبِ خلافت کے خلاف آواز اُٹھانا حضرت علی رضؓ کی ناراضی، اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو دعوتِ مبارزت اور اس کے فیصلہ کے خلاف بغاوت و تمرّد کے مترادف ہے، اور نہ ہی کسی کے لئے مناسب اور جائز ہے کہ وہ اس چیز کے برعکس اعتقاد رکھے جسے حضرت علی رضؓ اُن کے بھائی اور ساتھی صحابہ کرام رضؓ کی مقدّس جماعت اختیار کر چکی ہے اور نہ ہی ان کے اجماع میں کسی کو خلل اندازی کرنا جائز ہے خواہ اس معاملہ میں مسلمانوں کی اصلاح و خیر ہی کیوں نہ مضمر ہو۔ خلافتِ علی رضؓ پر یہ بہت بڑا افترا اور ان کی قدر و منزلت میں عظیم نقص اور رجالِ اسلام اور اس کی تاریخ میں رخنہ اندازی کا باعث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اخلاصِ نیت میں شک و بد گمانی کا مظاہرہ کیا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ اور خلیفۂ ثالث حضرت

عثمان ابنِ عفان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں جس اخلاص اور وفا شعاری سے خدمات انجام دی تھیں اس میں بخل و غیبت کا مظاہرہ کیا جائے۔

حضرت علیؓ کی مسلّمہ فضیلت

یہ بھی حضرت علیؓ اور ان کے طبقہ کے مسلّمہ فضائل میں سے ہے جس میں وہ دیگر تمام سے منفرد ہیں، اور جو انہیں اولین خلفائے ثلاثہ سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ بیک وقت اس معاملہ میں صرف ایک ہی آدمی اس معاملہ کا والی ہو سکتا ہے اور خلافت کو اس کے لوازمات کے ساتھ قائم کر سکتا ہے۔ اس باب میں ان کی شدت یہاں تک تھی کہ وہ اس بارہ میں معمولی لن ترانی اور سرگوشی کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور ان کے خیال میں کسی کو خلیفہ کے خلاف اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور وہ کسی کے لئے یہ بھی جائز خیال نہیں کرتے تھے کہ کوئی ایسی شکل اختیار کرے جس سے مسلمانوں کی عداوت و دشمنی ظاہر ہو، اور جو مسلمانوں کو خوف و خطر میں ڈالے اور خود اپنے نفس کو دیگر پر ترجیح دے۔

واقعات کی چھان پھٹک یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب تمام واقعات کو اہل ہوا اور اربابِ اغراض کی زیادتیاں

اور مبالغہ آرائیوں سے الگ کر لیا جائے تو وہ ترتیبِ خلافت کے معاملہ میں حضرت علیؓ اور ان کے اخوان و اعوان کے فضل و منقبت پر دلالت کریں گے۔ جب واقعات اور اخبار کو مبالغہ آرا اور زیادتی پسند طبیعتوں نے کذب و افترا میں خلط ملط کر دیا، اور ان میں ایسے اکاذیب کو داخل کر دیا جن کی کم از کم حضرت علیؓ اور ان کی آل کے لئے کوئی مصلحت نہ تھی تو صورت بالکل بدل گئی۔ بلکہ ان کے دجل و فریب اور کذب و افترا کی وجہ سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد و احفاد کو ایسی شکل میں پیش کیا گیا جو نہایت قبیح اور مکروہ تھی اور جو اصل واقعات اور حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ان دھوکا باز طبیعتوں نے یہ سمجھ لیا کہ اپنی عفت و پاکدامنی، طہارتِ نفوس کے لحاظ سے یہ ممتاز جماعت اور دنیا کی اقوام و امم میں یہی مقدس طبقہ بالکل پست اخلاق گھٹیا کردار اور خفیف الحرکات کا مجموعہ ہے۔ اور یہ لوگ دنیوی مفاد، متاعِ عاجل، اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر آئے دن بچوں، اور بازاری لوگوں کی طرح لڑتے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ یہ صرف ان اہلِ ہوا کا دجل و کذب اور افترا باطل ہے

خلفائے راشدین کی نظر میں خلافت کا مقام

خلفائے راشدین مہدیین کی نظروں میں خلافت و ولایت کو کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا، زیادہ سے زیادہ وہ اسے عوام کی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان میں جو بھی والی بنتا وہ مسلمانوں کے حقوق و فرائض کو ادا کرتا، اور ان کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا۔ اور ان میں سے کسی کے نزدیک بھی خلافت کوئی قیمتی متاع، اور خوانِ یغما کی حیثیت حاصل نہ تھی، کہ وہ غیروں سے اس کے لئے تنازع کرتا اور لڑ جھگڑ کر زبردستی خلافت حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ ہمارے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے یہ واقعہ شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب یہودیوں، اور مجوسیوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا نہ صرف ارادہ کیا بلکہ پختہ پروگرام مرتب کر کے صبح کی نماز کے وقت جب کہ وہ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے نہایت وحشیانہ حملہ کر دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چند دن باقی رکھا۔ آپ نے

ان چند ایام میں مسلمانوں کے لئے تدبّر و تفکّر سے کام لیا۔ اور اپنے بعد انہیں شورائیت کا حکم دیا۔ اور بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کمیٹی مقرّر کی، اور انہیں تاکید کی کہ وہ اپنا فیصلہ کر کے امرِ خلافت کے جھمیلوں سے مسلمانوں کو آرام و نجات دیں۔ مگیتے بلکہ خود اپنے بیٹے عبداللہ سے وعدہ لیا کہ وہ بارِ خلافت کو نہیں اُٹھائے گا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اس وقت علم و حزم، عقل و دانش، اللہ۔ رسولؐ اور مومنوں کے لئے اخلاص و محبت کے اعتبار سے کوئی بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر نہیں تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر جو خطاب فرمایا وہ بھی کس قدر خوبصورت، اور وزنی ہے۔ فرمایا:۔

"آلِ خطاب کو اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک خلیفہ بن چکا ہے۔ اگر یہ خلافت خیر و معروف ہے تو ہم اسے حاصل کر چکے۔ اور اگر یہ گناہ و معصیت ہے، تو بھی ہم نے اپنا حصّہ وصول کر لیا ہے اس لئے

اب بنی خطاب سے کوئی خلیفہ نہ بنایا جائے۔
انسانی تاریخ میں کس قدر اونچا مقام ہے کہ منصب و جاہ اور اقتدار و حکومت سے کس طرح اپنا اور اپنے خاندان کا دامن بچا رہے ہیں۔
۳۵ھ میں شہادتِ عثمانؓ کے بعد حضرت طلحہؓ، زبیرؓ علیؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلافت کے امیدوار قرار دیئے گئے تھے۔ مگر ان تمام حضراتؓ نے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے گریز کیا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ کی بیعت اور شیعانِ علیؓ کا پس منظر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادتِ عثمانؓ کے بعد اپنی خلافت کی بیعت کوئی دل کی خوشی اور اپنی مرضی یا جمہور اکابرِ مدینہ کے مشورہ سے ہرگز نہیں لی تھی۔ کیونکہ بلوائی تین بڑی شہروں بصرہ، کوفہ فسطاط سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی عقیدتوں کے مرکز بھی الگ الگ تین اشخاص زبیرؓ طلحہؓ اور علی تھے۔ اول الذکر دونوں اشخاص بلوائیوں کے اصرار

اور تقاضا کے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پیش
کر کے اور ان کی اہلیت و قابلیت کا اقرار کر کے اپنا دامن
چھڑانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر یہی گروہ حضرت علی
کرّم اللہ وجہہ کے پاس پہنچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو اپنی خلافت کی بیعت لینے پر مجبور کیا۔ بالآخر حالات کو
خراب ہوتا دیکھ کر اور مسلمانوں کو فساد و ہنگامہ کی
تباہیوں سے بچانے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ نے صرف دو یوم جمعرات اور جمعہ ۲۴، ۲۵ ذوالحجہ
کے لئے خلافت کی بیعت لینا منظور کی تاکہ حج سے فراغت
کے بعد جمیع اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی
میں خلیفہ کا باقاعدہ انتخاب ہو جائے۔
جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پہ علی رؤس الاشہاد اپنی
عارضی بیعت کا اعلان کیا تھا۔
اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی
خاص ایسا شیعہ اور حامی نہ تھا جسے وہ جانتے پہچانتے
ہوں، یا وہ ان سے رل مل کر رہنے کی کوشش کرتے ہوں

اور نہ ہی کبھی ان کے حاشیہ خیال میں یہ تصور پیدا ہوا کہ وہ عوام میں سے کسی کو اپنا شیعہ بنائیں۔ کیونکہ اس وقت آپ بذات خود اور آپ کے تمام بھائی صحابہؓ کرام اسلام کے شیعہ تھے۔ جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ اور ان کی ذہنی و سیاسی راہنمائی و قیادت پر قانع اور مطمئن تھے۔ اور اگر حضرت علیؓ کے دل میں جمہور اُمت کے سواء اپنے خاص شیعہ بنانے کا خیال پیدا ہو جاتا۔ اور وہی شیعہ پھر اُن کی بیعت کر لیتے تو یقیناً اُن کے شخصی کردار اور اُمت میں قبولیت عامہ کے مقام کو ضرور نقصان پہنچتا اور ہو سکتا ہے کہ اُنہیں خلیفہ ہی نہ بنایا جاتا —— اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علیؓ جمعرات ۲۴ ذوالحجہ ۳۵ھ کی شام تک اس بات پر مصر رہے کہ میں نے تو صرف دو دن کے لئے مسلمانوں کو فساد و ہنگامہ سے بچانے کی غرض سے امامت و خلافت کو قبول کیا تھا۔ حالانکہ دیانت و امانت و اخلاص مقام و مرتبہ عقل و فہم علم و حزم دین و تقویٰ شجاعت و بسالت۔ غرض ہر اعتبار سے اُس دن خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور حقدار تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت علیؓ اُس روز یہ موقف اختیار نہ کرتے تو اُنہیں

اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں یہ قبولیت اور قدر و منزلت حاصل نہ ہوتی۔

علیؓ اور طلحہؓ کی گفتگو

یہ بات روز روشن کی طرح ثابت شدہ ہے کہ اُسی روز عشاء کی نماز کے بعد تک حضرت علیؓ اپنے موقف پر قائم تھے اور اپنی ذات سے خلافت کو دور رکھنا چاہتے تھے۔ اور اس بات کے خواہاں تھے کہ لوگ طلحہؓ بن عبد اللہ کو خلافت کے لئے قبول کرلیں۔ حضرت طلحہؓ بن عبداللہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ اور حضرت طلحہؓ اس کوشش میں مصروف تھے کہ وہ مسلمانوں کے اس معاملہ (خلافت) کے اہل نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ کی طرح حضرت طلحہؓ بھی خلافت کو اپنے سے دور رکھنا چاہتے تھے اور اس پیشکش کے قبول کرنے سے صاف انکار کر رہے تھے۔ اور یہی چاہتے تھے کہ علیؓ اس بارگراں کو اٹھائیں۔ اور مسلمانوں کے اس واجبی امر (امور خلافت) کو اُن میں نافذ کریں۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ ان کی باہمی گفتگو کا مطالعہ کیجئے۔ جیسا کہ علماء تابعین میں سے ایک عظیم و شہیر عالمؒ امام محمدؒ بن سیرین نے روائت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابو جعفر الطبری نے اپنی تاریخ (طبع مصر و ہالینڈ) میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ طلحہؓ سے کہہ

رہے تھے (اُنبسُطْ یَدَکَ یا طلحۃُ لِاُبَایِعَکَ) کہ طلحہؓ ہاتھ پھیلائیے کہ میں آپ کی بیعت کروں ؟ ؟ (فیقُولُ لَہٗ طلحۃُ اَنْتَ اَحَقُّ فَاَنْتَ اَمیرُ المؤمنین فَاَنبسُطْ یَدَکَ) طلحہؓ جواب میں کہہ رہے تھے۔ کہ اے امیر المومنین آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ قریب تھا کہ فسطاط۔ کوفہ اور بصرہ کے بلوائی اور فتنہ پرور لوگ علیؓ۔ طلحہؓ۔ اور زبیرؓ پر کود پڑتے۔ اور اُنہیں قتل کردیتے۔ کیونکہ یہ تمام ولائیت و خلافت کے قبول کرنے سے بھاگ رہے تھے۔ اور اس سے ہمکنیبچنا چاہتے تھے۔ اور آخر کار حضرت علیؓ نے خلافت قبول کر کے اس معاملہ کو ختم کردیا۔

علیؓ کا پہلا سرکاری خطبہ

آئندہ ۲۵ ذوی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے روز منبرِ رسولؐ پر چڑھ کر آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں ہمارے لئے محفوظ کیا ہے۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے لوگو کان کھول کر سُن لو کہ اس معاملہ (خلافت و ولائیت) میں صرف اُسی کو حق پہنچتا ہے جسے تم امیر مقرر کرو۔ کل ہم میں سے اس معاملہ میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ کہ کس کی بیعت کریں ؟ اگر تم چاہو تو میں خلافت سے بیٹھ

جاتا ہوں ؟ اور مجھے کسی پر افسوس نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی میں اس کا خواہش مند ہوں (طبری) بعد میں اُنہوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ خلافت کو سینہ زوری۔ دھونس۔ دھاندلی اور ناجائز تسلّط و قبضہ سے نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ وہ تو صرف مسلمانوں سے بیعت لے کر ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اُمّت اس پر راضی ہو۔

طبقہ اولیٰ میں حزم و اعتدال

اسلام میں اوّلین طبقہ کا یہ فضل و منقبت کیا کم ہے ؟ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت و رفاقت میں رہے۔ اور اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے اسلامی زندگی کے حقوق و آداب سیکھے اور آپ کی سنّت پر کاربند ہونے کو اپنا وظیفہ حیات قرار دیا۔ اور بلا شبہ یہ قدسی الاصل گروہ اور پاکبازوں کی یہ جماعت اعتدال کو دین کا ترازو اور رفق و ملاطفت کو اسلام کا جمال و خوبصورتی خیال کرتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ تاکیداً فرمایا کرتے تھے (اِنَّ الرِّفْقَ مَا کَانَ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ وَمَا نُزِعَ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہٗ) بلا شبہ کسی چیز میں نرمی کا ہونا اُسے خوبصورت و

مزین بنا دیتا ہے۔ اور اُس سے نرمی و رفق کا چھن جانا اُسے بد شکل بنا دیتا ہے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے (مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ) کہ جو نرمی اور رفق سے محروم رہا وہ گویا تمام قسم کی بھلائی سے محروم رہا۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے (إِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ مَتِيْنٌ فَأَوْغِلْ فِيْهِ بِرِفْقٍ) کہ بلاشبہ یہ دین مضبوط اخلاق والا ہے۔ اس میں بہت زیادہ نرمی سے کام لیجئے۔ اور آپ اکثر اوقات یوں بھی فرمایا کرتے تھے۔ (إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِيْهِ) کہ آپ اپنے آپ کو غلو فی الدین یعنی دین میں افراط و تفریط سے بچاؤ۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں حد سے زیادہ زیادتی و غلو کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں ۔ ان واضح ارشادات اور محکم قراین کی وجہ سے مسلمانوں کا طبقۂ اولیٰ افراط و تفریط اور دینی غلو و زیادتی سے بالکل بچا رہا۔ اور اس نے اعتدال و توازن اور حزم و احتیاط کو اپنائے رکھا۔

طبقۂ ثانیہ جب طبقۂ ثانیہ نے نشو و نماء حاصل کی تو والدین نے اپنی اولاد کی خود تربیت کی اور اُنہیں وہی آداب سکھلائے۔ جو اُنہوں نے محمدی دانشگاہ سے حاصل کئے تھے۔

لیکن یہ کامیاب فطری اور متوازن طریقۂ تادیب اور اندازِ تربیت صرف حجاز۔ نجد اور شام میں ہی رواج پذیر تھا۔ فسطاط (مصر) کوفہ۔ اور بصرہ (عراق) میں جن نوجوانوں نے تعلیم و تربیت حاصل کی انہیں اس نرمی و رفق اعتدال و توازن اور حزم و احتیاط سے بہت کم حصّہ ملا۔ ان میں نوجوانوں کی اکثریت غلو و زیادتی کی نذر ہوگئی۔ اور اس غلط تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ اس غیر ذمہ دار گروہ سے بے شمار تاریخی بے اعتدالیاں بلکہ ہلڑ بازیاں سرزد ہوئیں۔

اسلام پر مصیبت اس وقت اسلام پر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ یہودی ابلیس خیر خواہ بن کر انہیں گمراہ کر رہے تھے۔ عبداللہ بن سبا یہودی ابلیس کی شکل میں اس طبقہ ثانیہ کے نفوس اور قلوب و اذہان میں ایک غیر متزلزل مقام حاصل کر چکا تھا۔ اور یہ مسلم نوجوان ان ابالسہ یہود کی دسیسہ کاریوں۔ ریشہ دوانیوں۔ دین کے خلاف مکاریوں اور ان کی اسلام دشمنیوں سے بالکل بے خبر اور ناواقف محض تھے۔ بظاہر یہ اسلام کے فکر و غم میں گھلے جا رہے تھے اور ان کے سامنے اپنی دینی غیرت۔ اسلامی حمیت اور اسلام کے علمبرداروں کے لئے اُلفت و محبت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سب سے قبل اپنے اس مکر و فریب اور دھوکہ و سازش کا جال حجاز۔ نجد اور شام میں بچھانا چاہا

لیکن حجازیوں۔ نجدیوں اور شامیوں کی اسلامی فطرت۔ دینی اعتدال محمدی اخلاق و کردار۔ اور افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ سے بچنے کی وجہ سے یہ وہاں کامیاب نہ ہوسکے۔ اور انہیں نہایت ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی کے عالم میں ان تینوں علاقوں کو چھوڑنا پڑا اور بُری ہزیمت و شکست اور پسپائی سے ان علاقوں کو چھوڑنا پڑا۔ پھر ماحول کے نشیب و فراز اور حالات کی رفتار کو بغور دیکھنے کے بعد انہوں نے فسطاط۔ کوفہ اور بصرہ کا رخ کیا۔ اور اپنے مذموم اغراض اور ذلیل مقاصد کے حصول کے لئے منتخب کیا۔

ان ملعونوں کی ہرزہ سرائیاں اور بداعتقادیاں

اسلام کے یہ دشمن کوفہ بصرہ اور فسطاط میں منتقل ہونا شروع ہوگئے۔ اور وہاں کے باشندوں سے اختلاط اور میل جول رکھنا شروع کر دیا۔ ناتجربہ کار اور نوخیز نوجوانوں سے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ دیکھو یہ کس قدر تعجب اور حیرت ہے کہ عثمان رض عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا عقیدہ تو رکھتا ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ نبی ہونے کی تکذیب و تردید کرتا ہے۔ حالانکہ خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماچکے ہیں اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ

لرادُّكَ اِلیٰ مَعَادٍ) حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم رجعیت
و واپسی کے اعتبار سے عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حقدار ہیں۔
یہ ملعون ان نوجوانوں سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ آپ سے قبل کئی
ہزار نبی گذر چکے ہیں۔ اور ہر نبی کا ایک خاص وصی ہوتا تھا۔ اور
بلا شبہ حضرت علیؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاص وصی ہیں اور
اُنہیں یوں بھی تلقین کرتے کہ محمدؐ خاتم الانبیاء اور علیؓ خاتم الاولیاءؓ
ہیں۔ ۳۰ھ کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت کے اواخر میں حضرت
عثمانؓ کے خلاف نہایت مکروہ اور شرمناک پروپیگنڈہ شروع کر
دیا۔ اور لوگوں کو مشتعل کرنے کی غرض سے یہ کہنا شروع کیا کہ
عثمانؓ سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے؟ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلّم کے وصی (علیؓ) کو اپنے یہاں بار نہیں بخشتا۔ اور ان پر حملہ
کرتا ہے اور اس سے خلافت و امارت چھین چکا ہے۔ بلکہ کھلے لفظوں
میں نوجوانوں کو بھڑکاتے کہ لاریب عثمانؓ نے استحقاق وجواز کے بغیر
خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم کے وصی علیؓ یہاں موجود اور تشریف فرما ہیں تم اٹھو اور خوب
زور شور سے عثمانؓ کے خلاف تحریک چلاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی
عن المنکر کے لباس میں اس معاملہ کو غالب وکامیاب کردو۔ یہاں

تک کہ لوگوں کے دل عثمانؓ سے بیزار اور علیؓ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نوٹ | مذکورہ بالا تمام غلط اعتقادات اور گمراہ کن خیالات کے حقائق عبداللہ بن سباء ملعون یہودی سے ثابت شدہ ہیں۔ اس کی ابلیسانہ کاروائیوں پر شیعہ و سُنی دونوں بزرگوں کا اتفاق ہے۔ ہم نے "ہامش" کے صفحہ ۲۹۹ پر انہیں بالتفصیل نقل کر دیا ہے۔ یہ روایات "الماملقانی" کی "تنقیح المقال سے نقل کی گئی ہیں۔" الماملقانی "نے انہیں الکشی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

الکشی شیعہ کے آئمہ کبار سے ہیں اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کا وصف (وصی رسول اللہ) عبداللہ بن سباء یہودی کا اختراع کردہ ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو علیؓ کے اس وصف کی کوئی خبر نہ تھی۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی وفات کے ایک عرصہ بعد عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں اختراع کیا گیا تھا۔

عبداللہ بن سباء کی فتنہ سامانیاں

اب لگے ہاتھوں اس فتنہ و فساد اور شور و ہنگامہ کے اصلی بانی اور محرک عبداللہ بن سباء یہودی

سے متعلق بھی سُن لیجئے۔ یہ انسان نما شیطان صنعاء (یمن) کے یہودیوں میں سے تھا۔ یہ ابن السوداء کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس نے اپنی دعوت و تحریک کو نہایت خبث باطن سے پھیلایا۔ پورے اطمینان و وقار سے یہ اپنی تحریک کو آگے بڑھاتا رہا۔ مختلف طبقات سے ایک جم غفیر نے اس کی دعوت و پروگرام کو نہ صرف بنظر استحسان دیکھا۔ بلکہ اسے پوری خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ پھر اس نے ان میں سے قابل اعتماد لوگوں کو دعاۃ ومبلغین بناکر مختلف مقامات پر بھیجا۔ اس کے دعاۃ ومبلغین نے اس کی اغراض کو پورا کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اس کے فساد انگیز اور فتنہ پرور خیالات پھیلاکر عوام کالانعام کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا۔ اس کے مبلغین میں اکثریت نیک بیوقوفوں کی تھی۔ جو دین میں نہایت متشدد اور عبادت میں نہایت متکلف تھے۔ اور جو غلو و زیادتی کو فضیلت۔ اعتدال و توازن کو نقص و تقصیر گردانتے تھے ان کی فطرت وجبلت میں کجی تھی۔ اور وہ عقل صحیح و ذوق سلیم مزاج معتدل۔ ذہن متوازن۔ فطرت صالح۔ عقل و دانش۔ فکرو تدبر۔ دور اندیشی۔ اور زود فہمی کی تمام صلاحیتوں اور بلند اوصاف سے خالی اور عاری تھے۔

عبداللہ بن سباء کے تبلیغی مراکز

جب عبداللہ بن سباء ان دعاۃ و مبلغین کی ایک پوری ٹیم اور جماعت کی تعلیم و تربیت سے فارغ ہوگیا اور اُنہیں ہر طرح قابلِ اعتماد اور لائق اطمینان پایا۔ اور اُسے کامل یقین ہوگیا کہ یہ لوگ مکر و خدع اور دھوکہ و فریب کو بہت اچھے طریق سے انجام دے سکتے ہیں۔ خط وکتابت اور مراسلت کے جال کو کامل ہوشیاری اور مضبوطی سے بچھا سکتے ہیں۔ خانہ ساز جھوٹوں اور خود تصنیف کردہ اکاذیب کو پوری ہوشمندی سے پھیلا سکتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تمناؤں۔ خواہشات اور مرضی و منشاء کے مطابق خطاب کرسکتے ہیں۔ تو پھر اس نے ان دعاۃ و مبلغین اور کارکنوں کی جماعتوں کو مختلف بلاد و امصار اور متعدد علاقوں میں پھیلا یا۔ پہلے انہیں زیر زمین پس پردہ کام کرنے کی تاکید کی اور بعد ازاں حالات سازگار ہونے کے بعد کھُل کر کام کرنے کی اجازت دی اور اس سلسلہ میں ان کے سب سے بڑے مرکز فسطاط (مصر) کوفہ۔ بصرہ (عراق) کو ٹھہرایا۔

عبداللہ بن سباء کی توجہ کے مرکز

عبداللہ بن سباء بڑا دیرک دور اندیش

اور بہت زیادہ مصلحت بین تھا۔ چنانچہ اس نے حالات وماحول کے گردوپیش اور نشیب و فراز کو بغور دیکھنے کے بعد فیصلہ کیا۔ کہ اپنی دعوت وتحریک کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے اثرات کے پھیلاؤ کے لئے قبائل کے لیڈروں اور ان کے بیٹوں کو منتخب کیا جائے۔ کیونکہ ان کے نوجوان خون میں جلدی سے حرکت پیدا ہوسکتی ہے ان کے غیر پختہ ذہنوں اور ناتجربہ کاری سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کی جذباتیت وغیر سنجیدگی کو جلد مشتعل کرنا بھی آسان ہے۔ چنانچہ اس نے قبائل کے زعماء اور سرداروں کے لڑکوں کو اپنی دعوت پیش کی۔ اور بلاد و امصار کے اُن اعیان واکابر تک اپنی دعوت کو پہنچایا۔ جن کے باپ فتح وجہاد میں ہمیشہ شریک رہے تھے۔ اور انہیں اپنی برتری۔ تفوق کا قائل کرکے اپنا ہمنواء بنالیا۔

فسطاط میں ہنگامہ پرور لوگ

جب اس کی دعوت و تحریک کو بعض نیک بیوقوفوں۔ اہل غلو وافراط اور ارباب تکلف فی العبادت نے قبول کرلیا۔ اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہی۔ تو اس نے مختلف شہروں میں باقاعدہ خفیہ جماعتوں کی تنظیم کی طرح ڈالی۔

ان پر اُمراء مقرر کیئے اور انہیں پس پردہ پھر آہستہ آہستہ کُھل کر کام کرنے کی تلقین کی۔ اور ان کی قیادت ونگرانی کے فرائض خود انجام دیئے۔ اور نہایت ہوشمندی و دور اندیشی سے اس سلسلہ کار کو چلایا۔ چنانچہ فسطاط میں جو لوگ اس کے کارکن۔ اور اس کے مذموم مقاصد کے داعی اور حامل تھے۔ ان میں سے الغافقی بن حرب السکلی۔ عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی التجیبی شاعر کنانۃ بن بشر بن عتاب التجیبی۔ سودان بن حمران السکونی۔ عبداللہ بن زید بن ورقاء الخزاعی۔ عمرو بن الحمق الخزاعی۔ عروہ بن البناع اللیثی اور قتیرہ السکونی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو اس سلسلہ میں ہر قسم کی ایثار و قربانی پیش کر رہے تھے۔

کوفہ میں فتنہ پرور افراد کوفہ میں اس فتنہ و فساد کے مرکز اور اس کے خاص معتمد علیہ کارکنوں میں عمرو بن الاصم۔ زید بن صوحان العبدی۔ الاشتر مالک بن الحارث النخعی۔ زیاد النصر الحارثی۔ اور عبداللہ بن الاصم شامل تھے۔ جو عبداللہ بن سبا کے اشارہ وایماء پر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار تھے۔

بصرہ میں فساد انگیز اشخاص بصرہ میں جن لوگوں نے اس

فساد وانتشار کو پھیلایا۔ اور اسلام کے خلاف فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اور عوام میں اضطراب و بے چینی کا باعث بنے۔ اُن میں سے حرقوص بن زہیر السعدی۔ حکیم بن جبلہ العبدی۔ بشر بن شریح۔ الحکم بن صبیحہ القیسی۔ ابن المحرش بن عبد عمرو الحنفی اور ذریح بن عباد العبدی۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن مدینہ منوّرہ میں پوری کوشش کے باوجود تین اشخاص کے سواء ان سے کوئی متاثر نہ ہوسکا۔ وہ افراد ہیں۔ محمدؐ بن ابی بکر۔ محمدؐ بن ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم۔

عبداللہ بن سباء کا مکر و فریب

عبداللہ بن سباء بہت بڑا مکّار اور فریبی تھا۔ موقعہ شناس اور ابن الوقت تھا۔ جیسا دیس ویسا بھیس کا قائل تھا۔ جیسا ماحول دیکھتا ویسی باتیں کرنا شروع کردیتا۔ تاکہ لوگوں کے یہاں اُسے اثر و نفوذ حاصل رہے۔ اس کے مکر و فن اور دھوکہ و فریب کی انتہا یہ ہے۔ کہ اس نے فسطاط میں علیؓ کی خلافت کی دعوت پیش کی۔ حالانکہ علیؓ کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ کوفہ کی جماعت میں طلحہؓ کے استحقاق کو پیش کیا۔ اور لوگوں میں طلحہؓ کی خلافت کا راستہ ہموار

کرنا شروع کیا۔ اور بصرہ میں زبیر کو اپنا ہمدردیوں اور عقیدتوں کا مرکز بنایا۔ اور لوگوں کو ان کی خلافت و امارت کی دعوت پیش کی

ہم ان دھوکہ بازوں اور اس شیطان (عبداللہ بن سباء) کی دعوت و تبلیغ کا تحلیل و تجزیہ، کسی دوسری صحبت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی طوالت اس مضمون میں اس کے تحلیل و تجزیہ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

علیؓ۔ طلحہؓ۔ اور زبیرؓ نے اپنی اپنی جگہ پر ان بدطنتوں کی جو مذمت کی ہے اُسے نقل کرنا بھی ہمارے خیال میں نامناسب ہے۔ "ذی خشب"۔ "الاعوص" اور "ذی المروۃ" مقامات پر ان بلوائیوں اور فسادیوں نے باہی مذکورہ بالا تینوں بزرگوں کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی ہے۔ شرافت و انسانیت اس کے نقل کرنے سے مانع ہیں۔

عبداللہ بن سباء کا کامیاب فریب اور اس کی حقیقت

آپ جب کبھی عبداللہ بن سباء کی سیرت و کردار کا سرسری مطالعہ کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر حیرت انگیز اور فتنہ پرور شخصیت ہے۔ اور اس نے کمال ہوشیاری و ہوشمندی سے فسطاط کی

جماعت کو علیؓ کی زبان سے انقلابی پیغامات بھیجے اور علیؓ کے نام سے اُن کے ساتھ مراسلت کی۔ اور کس عیاری سے اُنہیں مدینہ منورہ میں انقلاب پیدا کرنے کی دعوت دی۔ اور جب یہ بلوائی۔ فسادی۔ اور انتشار انگیز پارٹی مدینہ منورہ میں علیؓ کی بے رُخی و استغناء سے دوچار ہوئے۔ تو علیؓ کے سامنے ہو کر گویا ہوئے کہ تم وہی ہو جواب تک خطوط لکھتے رہے ہو اور مدینہ منورہ میں انقلاب کی دعوت دیتے رہے ہو۔ اب سرد مہری اور ہم سے بے رُخی کا ثبوت دے رہے ہو۔

حضرت علیؓ نے جب ان کی گفتگو سُنی تو حیران و ششدر رہ گئے اور صاف صاف انکار کر دیا۔ کہ "تمہاری اس سازش مکر و فریب اور فتنہ سامانی سے مجھے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ میں نے کسی کو کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ اور نہ ہی خط وغیرہ لکھا ہے۔ اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ کرلیں کہ ان تمام فریبوں اور سازشوں کی حقیقت کیا تھی۔ اور اس نے کس طرح سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا۔

کاش علیؓ اور یہ لوگ بیدار ہو جاتے

اصل معاملہ یہ ہے کہ اس انکشاف حقیقت کے بعد علی رضی اللہ عنہ، اور ان بلوائیوں کی آنکھیں کھل جانا چاہیئے تھیں۔ اور انہیں پوری طرح بیدار و آگاہ ہو جانا چاہیئے تھا

کیونکہ یہ امر بالکل واضح ہوگیا تھا کہ ایک شیطان عبداللہ بن سباء کی صورت میں ان کے لئے فساد و انتشار کا جال بچھا رہا ہے۔ اور اپنے رذیل مقاصد بروئے کار لانے اور اسلام سے یہودیت کا انتقام لینے کی غرض سے ان میں ہمیشہ کے لئے شر و فساد کو جنم دے رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت و قوّت اور وحدتِ ملّی کو پارہ پارہ کردینا چاہتا ہے۔ لیکن صد افسوس کہ علیؓ اور دیگر ہنگامہ پسند لوگ ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر نہیں ہوئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی بیداری و ہوشمندی کے لئے یہی ایک واقعہ کافی تھا۔ کہ اس نے حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ بن حکم رضی اللہ عنہما کی طرف سے جعل سازی سے ایک خط عامل مصر کے نام محمدؒ بن ابوبکرؓ اور ان کے رفقاء کے خلاف لکھ کر بھیجا۔ دیگر قرائن و شواہد سے قطع نظر اس کی سازش کے ثبوت کے لئے یہی بس کرتا ہے۔ کہ وہ سانڈنی سوار جان بوجھ کر انہیں اپنے آپ کو دکھاتا۔ اور پھر ان کے سامنے اس طرح ظاہر کرتا کہ وہ ان سے کوئی چیز چھپانا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے بارہ میں ان کا شک و ریب اور بدگمانی یقین میں تبدیل ہو جائے۔

اور اگر مسلمان یہ جان لیتے کہ اس فتنہ و فساد اور انتشار و

دہنگامہ کے پس پردہ اس ذلیل النفس یہودی کا شریر ہاتھ کام کر رہا ہے۔ تو یقیناً مسلمان آج تک تاریخی طور پر اس فتنۂ عمیاء (ہولناک فتنہ) اور انتشار و فساد سے بالکل صحیح سالم نکلتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس واقعہ کو پونے چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور اگرچہ اس موضوع کے لئے قرائن و شواہد اور براھین و دلائل اتنے واضح نہیں ہیں۔ تاہم اگر کوئی مسلم نوجوان اس موضوع پر علمی تحقیقی اور تاریخی کام کرنا چاہے۔ تو دریں حالات اسے اپنی تاریخ میں کافی علمی سرمایہ مل جائے گا۔ اور موجودہ حالات میں اس کی اشد ضرورت بھی ہے۔ کہ اس معاملہ کی پوری دیانت داری سے علمی تہذیب و تحقیق کی جائے۔ اور ہر امر کو اپنی اپنی جگہ دکھایا جائے۔ تاکہ حقیقت صاف ہو کر عوام کے سامنے آجائے۔

مسلمانوں میں سب سے پہلا فتنہ

اسلام میں سب سے پہلے جو فتنہ واقع ہوا وہ خلیفۂ مظلوم دامادِ پیغمبرؐ۔ امام عادل۔ کریم النفس۔ شہید فی سبیل اللہ۔ اور ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بے دردانہ اور نہایت مظلومانہ شہادت کا واقعہ ہے۔ یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قتلِ عثمانؓ کے مجرم دو قسم کے لوگ ہیں۔

(خَادِعُوْنَ و مُخْدَعُوْنَ) دھوکہ باز اور دھوکہ میں آنے والے یعنی کچھ وہ لوگ تھے جو عوام کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کر رہے تھے۔ اور کچھ وہ تھے جو اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکہ میں آ چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا یہ عظیم حادثہ ذوالحج کے مہینہ میں رونما ہوا۔ جبکہ اس سال حاجیوں کے ساتھ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیت اللہ شریف (مکہ المعظمہ) تشریف لے جا چکی تھیں۔ جب اُنہیں مدینۃ الرسول میں واقع ہونے والے حادثہ فاجعہ اور ملی المیہ کا پتہ چلا کہ باغیوں نے بغاوت کر کے اپنے نبیؐ کے داماد کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا ہے۔ تو نہایت غمگین ہوئیں۔ اور اُنہیں یہ بھی پتہ چلا کہ بلوائیوں کے عزائم کے علی الرغم حضرت عثمانؓ اس فتنے کے دائرے کو تنگ کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ کہ اُنہوں نے بلوائیوں اور فسادیوں کے مطالبات کو سُن کر بڑی حد تک اُنہیں تسلیم بھی کر لیا۔ اور اُن پر اتمام حجّت اور اثبات حجّت کے بعد صحابہ کرامؓ کو اپنے دفاع و حفاظت سے منع فرما دیا کہ مبادا میری خاطر مسلمانوں میں تلوار چل نکلے اور کسی کا ناحق خون بہہ جائے۔ نیز یہ کہ حق و صداقت ان کے ساتھ تھا۔ اور وہ باطل پر تھے۔ اور حضرت عثمانؓ اپنے وقت میں اپنے شخصی

کردار - عدل وانصاف - شرافتِ نفس - ارکان و قواعدِ اسلام کو عملی جامہ پہنانے اور سنّت رسولؐ پر عمل پیرا ہونے کے لحاظ سے تمام انسانیت سے اعلیٰ وارفع تھے۔ اور آپ اپنے زمانۂ خلافت میں بہت زیادہ اکرم و اصلح اور بہت زیادہ عدل و انصاف کرنے والے تھے۔ حق کا قیام خیر و معروف کی اشاعت اور برائیوں کا انسداد آپ کا خاص پروگرام تھا۔

حضرت عائشہؓ کے ہاں کبار صحابہؓ کا اجتماع

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک اجتماع بلایا۔ اور شہادت عثمانؓ کے اس دردناک دینی وملی تاریخی اور قومی المیہ کے بارہ میں ان کی رائے دریافت کی۔ اجتماع میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو ولایت و امارت کے قبول کرنے سے بھاگتے تھے۔ شہواتِ نفس سے بہت اونچے تھے۔ اور ان کے متعلق ذاتی مفاد کے شائبہ کا گمان کرنا بھی نہایت دشوار ہے۔ بالآخر ان تمام اکابر نے پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عراق کی طرف چلیں اور

متفق و متحد ہو کر علیؓ سے مطالبہ کریں کہ وہ ان سبائیوں اور دم عثمانؓ میں شریک ہونے والوں سے قصاص لیں۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک ان پر حدِ شرعی کا لگانا لازمی ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے رفقاء کے دل میں کسی جاہ و منصب۔ اقتدار دنیا و دنیا امارت و خلافت اور ذاتی انتقام کا وہم و گمان کبھی نہ ہوا۔ ان کے مقدمۃ الجیش طلحہؓ و زبیرؓ تھے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت دے رکھی تھی۔ ان کے سفرِ عراق کا مقصد علیؓ سے جنگ کرنا نہیں تھا۔ اور نہ وہ علیؓ کو دعوتِ مبارزت دے کر میدان کارزار گرم کرنا چاہتے تھے۔ اور بالکل اسی طرح حضرت علیؓ کے دل کے کسی گوشہ میں یہ وہم و گمان نہ تھا۔ کہ وہ ان کے دشمن ہیں۔ اور ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ جنگِ جمل کا یہ افسوسناک واقعہ اور مسلمانوں کا باہمی دست و گریبان ہونا سب ان کی سازشوں اور خبثِ باطن کا ہی نتیجہ تھا۔

جمل میں صحابہؓ کی باہمی جنگ کے اصل محرک

تحقیقی طور پر ان تمام واقعات کے پس منظر پر غور کریں گے اور

مستند تاریخ کی روشنی میں ان کا مطالعہ کریں گے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ ان تمام حادثات اور دلخراش واقعات کے اصل بانی اور محرک وہی غالی افراد ہیں جو عبادت و ریاضت میں ظاہر داری و تکلف کے پابند تھے۔ اور عبداللہ بن سباء کی دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں دھوکہ میں آگئے تھے۔ یہی سبائی پارٹی قتل عثمانؓ میں باہمی شریک و سہیم تھی۔ اور بعد میں یہی لوگ زبردستی علیؓ کی جماعت میں گھس گئے۔ اور ان وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے براہ راست عبداللہ بن سباء سے اُس کی دعوت و تحریک کو قبول کیا تھا۔ اور اس کی اوصیاء الانبیاء۔ خاتم الانبیاء۔ دیگر دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کی تعلیم و تربیت حاصل نے کے سلسلہ میں اس یہودی شیطان کے آگے زانوئے تلمذ طے کئے تھے ظاہر ہے کہ یہ سب اضطراب و انتشار اسی تعلیم و تربیت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کا مطالبہ اور علیؓ کا موقف

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حضرت علیؓ سے ذاتی اختلاف ہرگز نہ تھا۔ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے لائق صد احترام ساتھی بصرہ صرف

اس لئے آئے تھے کہ ان لوگوں پر حدود اللہ کو جاری کیا جائے جو قتلِ عثمانؓ میں شریک تھے۔ اور اس سلسلہ میں مجرمین کے ساتھ نرمی سے معاملہ بالکل نہ کیا جائے۔ یہ بھی واضح رہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ علیؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کے مخالف تھے۔ اور مجرموں کو معاف کر دینا چاہتے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ ان کی دینداری۔ قرابتِ رسول۔ اخلاص و تقوی۔ اور اُن کی سیرت و اخلاق کے پیشِ نظر ان کا قصاص لینے میں کسی سے پیچھے رہنا گوارہ کرتے تھے۔ بلکہ اصل قصہ یہ ہے۔ کہ حضرت علیؓ یہ چاہتے تھے اور منتظر تھے کہ عثمانؓ کے اولیاء اور ورثاء قصاص کا کیس باقاعدہ ان کے پاس لے کر آئیں۔ اور دمِ عثمانؓ کا دعویٰ کریں۔ تاکہ باضابطہ عدالتی اور قانونی کارروائی کی جا سکے۔ ایسی صورت حال میں اب علیؓ کو اس معاملہ میں مطعون کرنا اور مورد الزام ٹھہرانا سراسر زیادتی ہوگی۔

قاتلین عثمان کی عیاری اور خوفناک سازش

اس سے قبل کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے دونوں فریق قصاص اور حدود اللہ کے نفاذ میں متفق ہوں اور اس کے صحیح تقاضوں کو

پورا کریں۔ قاتلینِ عثمانؓ سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ مصیبت کا چکر ان پر چلنے والا ہے۔ اور وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حق کے بہبود و قیام کے سلسلہ میں وہ علیؓ کی گرفت و مواخذہ سے ہرگز ہرگز بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ اس انجام بد سے بچ رہنے کی غرض سے ان شورش پسند سبائیوں نے جنگِ جمل کا خوفناک منظر قائم کر دیا۔ اور دو بھائیوں کو آپس میں نہ صرف گتھم گتھا کیا۔ بلکہ ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلا کاٹنا شروع کیا اور وہ قوت و طاقت جو اسلام کی حمایت۔ اور کفر کے خلاف صرف ہونا تھی۔ وہ باہمی لڑائیوں اور جنگوں میں ضائع ہو کر رہ گئی۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ کی روایت

بخاری شریف کے مشہور شارح۔ فنِ اسماءِ رجال کے عظیم ماہر اور شہرۂ آفاق مصنف حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری جز ۱۳ صفحہ ۴۱-۴۲ اور ۴۴ پر عمر بن شبہ کی کتاب "اخبار البصرہ" اور دیگر قدیم وثائق پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے ابن بطال کے واسطے سے المحطب کا قول نقل کیا ہے۔ کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ ہی کہیں نقل دکھا سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ

اور ان کے معزز رفقاء کا حضرت علیؓ سے خلافت کا تنازع نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی کے پاس یہ جھگڑا اور مطالبہ لے کر گئے کہ علیؓ خلافت ان کے سپرد کر دے۔ کیونکہ یہ جاہ و منصب اور امارت و خلافت حاصل کرنے کا تنازع ہرگز نہیں تھا۔

انہوں نے علیؓ کی بیعت سے انکار صرف اس لئے کیا تھا کہ ان کے خیال میں علیؓ قاتلینِ عثمانؓ کو قتل و قصاص سے بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے ان سے قصاص نہیں لے رہے بلکہ لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔ اور حضرت علیؓ اس بات کے منتظر تھے کہ اولیاء و ورثاءِ عثمانؓ قتل و قصاص کا مقدمہ ان کے پاس لے کر جائیں اور جب کسی کے متعلق ثابت ہو جائے کہ یہ بھی قاتلینِ عثمانؓ میں شامل تھا۔ تو اُس سے قصاص لیا جائے اور حدود اللہ کو جاری کیا جائے۔ قصاص کی نوعیت میں اختلاف تھا۔ اس کی ذات اور تشخص میں اختلاف نہیں تھا۔ قاتلینِ عثمانؓ کو اندیشہ و خوف لاحق ہوا کہ اگر ان کی صلح ہوگئی تو ہماری تباہی و قتل لازمی ہے۔ چنانچہ ان بدکرداروں نے ان کے مابین (لڑائی جنگ جمل) جنگ قائم کر دی۔ یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں کو آپس میں لڑا دیا۔ پھر جو کچھ ہوا ہوا اس کی تلافی نہایت دشوار ہے۔

قاتلینِ عثمانؓ
جنگِ جمل

قاتلینِ عثمانؓ کی اپنے مقاصد میں کامیابی

کے بعد فتنہ و فساد کی عام تشہیر اور اشاعت میں کامیاب ہو گئے اور اسی واقعۂ ہائلہ پر ان کی نجات و کامیابی اور دونوں مسلمان جماعتوں کا قتلِ عام اور سفکِ دم مرتّب ہوا۔ اور وہ یہی چاہتے تھے۔ آپ کو قتلِ عثمانؓ کے فتنہ میں ایسے نام ضرور ملیں گے جنہیں تاریخ نے ضبط کیا ہے۔ کہ یہ لوگ واقعۂ جمل صفین اور حادثۂ تحکیم میں اپنے مستقبل کے متعلق نہایت متردّد پھرتے رہے۔ انہیں ایک پل بھی چین و سکون میسّر نہیں ہوسکا۔ اس آخری حادثہ یعنی مسئلۂ تحکیم میں غلوّ فی الدین کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ اور اس کی وباءِ عام لوگوں میں پھیل گئی۔ اور لوگوں نے اپنے فکر و نظر کے مختلف مکتب بنا لئے اور معاملہ فساد و انتشار کی بالکل انتہا کو پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ متشدّدین کا ایک گروہ اپنے متشدّد فی الورع والتقویٰ والدّین کی وجہ سے حضرت علیؓ سے الگ تھلگ ہوگیا۔ اور حضرت علیؓ پر کفر و ضلالت کے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ بعد میں یہی گروہ خوارج کے نام سے مشہور ہوا۔ غالیوں اور مبالغہ پسند طبیعتوں کا ایک گروہ حضرت علیؓ سے بالکل چمٹ گیا اور حضرت علیؓ کے متعلق نہایت گمراہ کن عقائد

پھیلانے شروع کئے۔ اسی گروہ نے حضرت علیؓ کی وفات کے بعد شیعہ کے نام سے شہرت پائی۔ حضرت علیؓ کی تمام زندگی میں صرف اس وقت یعنی ۳۷ھ میں ایک ہی بار یہ گروہ شیعان علیؓ کے نام سے مشہور ہوا۔

ایک اتفاق

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک یہ دونوں انتہا پسند اور غالی گروہ خوارج و شیعہ اپنے غلو و زیادتی اور مبالغہ آرائی کے باوصف حسن اتفاق سے شیخین حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی عزت واحترام میں یکساں اور برابر تھے۔ یعنی ان ہر دو کی مدح وستائش اور عزت و احترام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کے بارہ میں کسی قسم کی بالکل معمولی گستاخی۔ سوءِ ادبی۔ اور لغزش و فروگذاشت کو بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ حضرت علیؓ کے پیروکار تھے۔ اور امیرالمومنین حضرت علیؓ بذاتِ خود کوفہ کے منبر پر ہمیشہ شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مدح و ستائش اور فضائل ومناقب کا ذکر کرتے رہے۔

حضرات شیخین کے متعلق خوارج اور قدیم شیعہ کا نقطہ نگاہ

خوارج اور اباضیہ ابتداء سے لے کر ہمیشہ اپنے اسی موقف پر قائم رہے۔ یعنی

حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام اُمت میں افضل۔ اعلیٰ۔ اتقیٰ اور اصلح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ سے علیحدگی و جدائی کے بعد بھی ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یہ لوگ ہمیشہ شیخین کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے رہے۔ بلکہ شیخین کی عزت و احترام خوارج کے نزدیک جزوِ ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن شیعہ نے خوارج کے حروراء اور نہروان کی طرف خروج کرجانے کے بعد حضرت علیؓ سے انہوں نے کہا ہم اس کے دوست بنیں جن کے آپ دوست ہیں اور ان سے دشمنی کریں جن کے آپ دشمن ہیں حضرت علیؓ نے اُن سے سنتِ رسول اللہ کی شرط لگائی۔ یعنی اُس سے دوستانہ تعلقات کو اُستوار کریں جو سنتِ رسول اللہ پر ہم سے دوستی رکھنا چاہے۔ اور اس سے دشمنی کریں۔ جو سنتِ رسول اللہ کی وجہ سے ہم سے دشمنی کی راہ اختیار کریں اسی دوران میں ربیعہ بن ابی شداد الخثعمی آیا (یہ جنگ جمل و صفین کے موقعہ پر خثعمیوں کے پرچم کا علمدار تھا) حضرت علی نے اس سے کہا (بَایِعْ عَلیٰ کِتَابِ اللّٰہ وَسنۃ رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ربیعۃ وعلیٰ سنۃ ابی بکر وعمر فقال علیؓ

لَوْ اَنَّ آبَا بکو وعمر عملا بغیر کتاب اللّٰہ وسنۃ رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم لم نکونا علیٰ شیٍٔ من الحق الیٰ اَنَّ سنہ ابی بکر و عمر انما کانت محمودۃ ومرغوبا فیھا لانھا قائمۃ علی العمل بکتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ فبیّنتموکم الآن علیٰ کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ تدخل فیھا سنۃ ابوبکر و عمر) کہ کتاب اللّٰہ اور سنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر میری بیعت کیجئے۔ ربیعہ نے کہا اس میں سنّت ابوبکر اور عمر کو بھی شامل کر لیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کتاب اللّٰہ اور سنّت رسول اللّٰہ پر عمل پیرا نہیں رہے۔ تو وہ حق پر ہی نہیں ہیں۔ یعنی سنّت ابوبکرؓ اور سنّت عمرؓ اس لئے محمود و مرغوب ہے کہ یہ دونوں بزرگ کتاب اللّٰہ اور سنّت رسول اللّٰہ کو عملی جامہ پہنانے پر قائم رہے تھے۔ پس اب تمہاری بیعت کتاب اللّٰہ اور سنّت رسول اللّٰہ پر ہے۔ سنّت ابوبکرؓ اور سنّت عمرؓ اس میں آپ سے آپ داخل ہوگئی یعنی ان دونوں بزرگوں نے زندگی میں اپنا کوئی قدم کتاب اللّٰہ اور سنّت رسول اللّٰہ سے باہر نہیں رکھا تھا۔

اسی طرح امیر المومنین علیؓ اپنی زندگی بھر اپنے دونوں بھائیوں۔ دونوں دوستوں۔ اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

کے دونوں خلفاء ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ سے راضی اور خوش رہے۔ اور کبھی اپنے منہ سے ان کی عزت و وقار اور احترام و تقدس کے منافی لفظ نہیں نکالا۔ اور اسی طرح شیخین کے بارہ میں پہلے شیعانِ علیؓ اور وہ لوگ جنہوں نے خروج و تمرّد کی راہ اختیار کی اور وہ لوگ جنہوں نے تحکیم کے بعد اپنی بیعت کی تجدید کی بڑے اچھے خیالات و اعتقادات رکھتے تھے اور ان سے بہت زیادہ حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔

ان اغراض پرستوں کی تلبیسانہ کوششیں

ان سبائیوں اور اغراض پرستوں کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ واقعات میں تحریف کرتے ان میں اپنی اغراض کو داخل کر دیتے۔ اور اپنی حسبِ خواہش اُن کی توجیہہ و تاویل کرتے تھے۔ ان کی تحریف و تغیّر اور کذب بیانی کا انداز یہ ہوتا تھا کہ یہ کسی واقعاتی حادثہ کا ذکر کرتے۔ اور اس میں وہی چیزیں بیان کرتے جن سے لوگ متعارف ہوتے۔ پھر اس میں کذب و افتراء کو داخل کر دیتے۔ اور لوگوں کو یہ وہم دلاتے کہ یہی اصل واقعہ اور اس کے تمام عناصر و ارکان کا ماحصل ہے۔ بعد میں آنے والے لوگ اس اصل اور قدیم واقعہ کو منحصر پاتے۔ اور جھٹ یہ فیصلہ دے دیتے کہ یہ ناقص اور نامکمل ہے اور یہ کہتے کہ واقعہ کو یاد کرنے والا یاد

ہر کرنے والے سے بہر کیف معتبر ہے۔ یعنی زائد اور ملحق ہو بھی درست ہے۔ لہٰذا وہ ساری ملاوٹ اور کذب و افتراء کو بھی تسلیم کرتے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے۔ یہاں تک کہ یہ خانہ ساز روایت (جو درحقیقت اصل روایت کے پیٹ سے ناجائز بچہ برآمد ہوا ہے) لوگوں میں متداول اور مشہور ہو جاتی۔ اور بسا اوقات ان کا اندازِ تحریف واقعات یوں ہوتا کہ اسلامی تاریخ کے کسی بطلِ حرّیت۔ فاتحینِ اسلام میں سے کسی فاتح۔ کسی داعیِ حق اور ملّتِ اسلامی میں سے کسی رجلِ عظیم (جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنوع و انفرادیت کی خصوصیات موہوب فرمائے ہیں) کا قصد کرتے اور ان کی طرف نسبت کر کے اپنی اغراض کو بروئے کار لاتے حالانکہ مذکورہ بالا اعاظم رجال کی تمام تر کوششیں حق و خیر کے راستہ میں صرف ہوئی تھیں۔ اور اسی سبائی پارٹی کے ارکان لوگوں کو بتاتے اور انہیں وہم دلاتے کہ یہ رجلِ عظیم خیر و معروف اور حق و صواب کے میدان کا شاہسوار تھا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا بلاشبہ اس نے ایک عرصہ تک اپنی صلاحیتوں کو اسلام کی نشر و اشاعت اور وطنِ اسلامی کی توسیع کرنے میں استعمال کیا تھا۔ لیکن (ان کے زعم کے مطابق) کچھ

عرصہ بعد وہ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے اس موقف سے منحرف ہوگیا تھا۔ اور اس کی تمام تر صلاحیتیں صرف باطل اور شر کے سامنے مطیع و منقاد ہوکر رہ گئی تھیں۔ جب محققین اس امر کی تفتیش و تمحیص اور تحقیق و جستجو کرتے اور اس اتہام وافتراء کے اصل مصادر و منابع کو تلاش کرتے۔ اور اس بطلِ حریت اور مجاہدِ اعظم کی سیرت و کردار کو ڈھونڈتے۔ تو کذب وافتراء اور اتہام و الحاق کی بضاعتِ قلیلہ کے ماسواء انہیں کوئی چیز ہاتھ نہ لگتی۔ اور یہ بدبخت اپنے منہ سے بکتے چلے جایا کرتے تھے۔ اس کے صدق و کذب اور غلط و صحیح سے متعلق یہ کوئی بحث نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوعبداللہ عمرو بن عاص رضؓ

ابوعبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

بن وائل السہمی آپ میدان اجنادین کے بطلِ مجرب۔ فاتح فلسطین۔ فاتح مصر ہیں۔ آپ پہلی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مصر کا نظام طبقات درست کیا۔ آپ پہلے وہ شخص ہیں جو مصریوں کے تربیت اختیار کرنے اور اسلام قبول کرنے کا باعث بنے۔ اور اس اعتبار سے مصری مسلمانوں کی

نیکیوں میں اپنے زمانہ سے لے کر اب تک شامل اور شریک ہیں کیونکہ آپ ان کے مشرف باسلام ہونے کا باعث تھے اور آپ نے پوری سعی و کوشش سے اس فریضہ کو انجام دیا تھا۔ یہی وہ رجلِ عظیم ہے جسے تاریخ رعب و دبدبہ۔ عظمت و شوکت۔ پختۂ عقل سرعتِ فہم اور دُور اندیشی کے بلند اور بہترین اوصاف سے جانتی و پہچانتی ہے۔ اس کی عقل کی پختگی اور دُور اندیشی ہی اس کے شرک سے بیزاری و انحراف۔ حق و صواب کو اختیار کرنے اور اسلام کو ترجیح دینے کا باعث بنی تھی۔ مقامِ افسوس ہے کہ آج سبائی پارٹی اُنہیں موردِ طعن۔ اور لائقِ مذمت گردانتی ہے حالانکہ یہ اسلام میں اتنی بڑی شخصیت اور عظیم خوبیوں سے متصف ذاتِ گرامی ہے کہ آج اُن کی شخصیت پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان کی ذات سے متعلق بدگمانیاں اور غلط فہمیاں یہود و مجوس کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ہیں۔ مجوسیوں اور اس اُمت کے نیک بیوقوفوں نے خیانت۔ بد دیانتی۔ دھوکا اور چالاکی سے ان کے متعلق غلط روایات کو اس انداز سے شہرت دی اور ایسی باتوں کو اُن کی طرف منسوب کیا کہ جس سے جہنم میں عبداللہ بن سبا کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو تو ہو مگر وہ ارواحِ صحابہ رض

کو ضرور نذر پائے گی۔

قاضی اشبیلیہ کا ارشادِ گرامی

امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی المعافری اشبیلی (اندلس) کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) (جو اشبیلیہ میں ۴۶۸ھ میں پیدا اور مغرب (مراکش) میں ۵۴۳ھ میں فوت ہوئے) اپنی کتاب "العواصم من القواصم" ص۱۷۷ پر عمروؓ بن عاص۔ اور ابوموسیٰؓ رضی اللہ عنہما کے مابین مسئلہ تحکیم کے بارہ میں جو بات لوگوں میں مشہور ہے۔ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال العیاذ باللہ کہ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری دانشمند نہیں تھے۔ اور عمروؓ بن عاص حیلہ باز اور چالاک تھے۔ یہ تمام تر صریح کذب ہے اور ان میں ایک حرف بھی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جسے مبتدعین نے اختراع کیا۔ اور بعض مورخین نے ملوک و سلاطین کی خوشنودی کے لئے خانہ ساز روایات اور من گھڑت خبریں وضع کیں۔ پھر ان غلط اخبار اور خانہ ساز روایات کی وراثت اہلِ بدعت اور اللہ تعالے کی معاصی کا اظہار کرنے والی طبیعتوں تک پہنچیں۔ ظاہر ہے کہ ان اہلِ بدعت اور اربابِ رفض و مجوسیت نے اس میں جو افسانے تراشے اور حکایات کا اضافہ کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔

ائمۂ ثقات کا اجماع

آگے چل کر قاضی اشبیلیہ امام ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ دین پر ثابت قدم رہنے والے آئمۂ ثقات کا اس بات پر اجماع ہے اور جیسے آئمۂ ثقات ہی بیان کرتے ہیں کہ عمروؓ بن عاص اور ابو موسیٰؓ اشعری رضی اللہ عنہما جب اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کی غرض سے اپنی اپنی ایک معزز جماعت میں اکٹھے ہوئے۔ تو عمروؓ بن عاص اور ابو موسیٰؓ اشعری ان سے الگ ہوئے۔ دار قطنی نے حفین جن منذر سے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جب عمروؓ بن عاص حضرت معاویہؓ سے اجماع کے لئے علیحدہ ہوئے۔ تو حفین نے آکر حضرت معاویہؓ کے خیمہ کے قریب اپنا خیمہ نصب کر دیا۔ حضرت معاویہؓ کو جب اس کی خبر پہنچی تو اُسے پیغام بھیج کر اپنے پاس بلا بھیجا۔ اور کہا کہ مجھے عمروؓ بن عاص کے متعلق ایسے ایسے خبر پہنچی ہے۔ یعنی اس نے مسلمانوں کو قتل و ضرب اور خونریزی سے بچانے کی غرض سے ابو موسیٰؓ کے ساتھ دونوں امیروں (علیؓ و معاویہؓ) کو امارت سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور یہ بھی طے کیا ہے کہ معاملہ مسلمانوں کے ہاتھ دے دیا جائے۔ جنہیں وہ مفید پائیں اس پر اتفاق کرلیں۔ جاؤ دیکھو کہ

اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے ؟ یعنی عمروؓ بن عاص سے دریافت کرو کہ کیا واقعی ایسے فیصلہ کر لیا ہے؟ حضین کہتے ہیں کہ میں عمروؓ بن عاص کے پاس آیا ۔ اور اُن سے کہا مجھے بتاؤ کہ تمہارے اور ابو موسیٰؓ اشعری کے درمیان کیا طے پایا ہے ؟ اور تم نے کیا کارروائی انجام دی ہے ؟ عمروؓ بن عاص نے کہا کہ لوگوں نے بہت سی بے سروپا باتیں مشہور کر رکھی ہیں اور معاملہ کی حقیقت یہ نہیں ہے ۔ میں نے ابو موسیٰؓ اشعری سے کہا اس تنازع میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ میرے خیال میں یہ معاملہ اُس جماعت کے سپرد کردینا چاہیئے ۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضامند فوت ہوئے تھے ۔ میں نے کہا میرا اور معاویہؓ کا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے ؟ اس نے کہا اگر تم سے اس معاملہ میں مدد لی جائے تو درست ہے ۔ اور یہ کوئی ہرج کی بات نہیں ہے ۔ اور اگر تم سے بے نیازی و استغناء سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے پھر عمروؓ بن عاص نے کہا کہ یہی معاملہ ہے جیسے لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے

دونوں امیروں کو امارت و خلافت سے الگ کر دیا ہے۔
حضین کہتے ہیں کہ پھر میں معاویہؓ کے پاس آیا۔ اور انہیں تمام قصہ کہہ سُنایا۔ کہ عمروؓ بن عاص اور ابو موسیٰؓ اشعری نے اسے اس طرح حل کیا ہے کہ وہ اس جماعت کی طرف رجوع کریں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی خوشی فوت ہوئے تھے۔ یعنی جو صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ تاکہ یہ معاملہ نہایت خوش اسلوبی سے طے پا جائے۔ پھر قاضی ابوبکر بن العربی اُندلسی دارقطنی کی معاویہؓ کے قاصد کے بھیجنے کی بقیہ خبر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ قاصد ہیں ابوالاعور الذکوانی۔ وہ عمروؓ بن عاص کے پاس آئے۔ اور اُنہیں معاویہؓ کی طرف سے سخت سست کہا۔ پھر عمروؓ بن عاص بذاتِ خود معاویہؓ کے پاس آئے۔ اور معاویہؓ و عمروؓ بن عاص کے مابین گفتگو اور ایک ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔ آخر کار عمروؓ بن عاص نے معاویہؓ سے کہا گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات خراب اُونٹنی (جو دودھ۔۔ دینے نہ دیتی ہو) کا دودھ دوہ کر لکڑی کا بڑا برتن

بھر لیا جاتا ہے۔ یعنی وہ جو دودھ دوہتے وقت ایک مقام پر نہیں ٹھہرتی بسا اوقات دودھ دوہنے والا اس سے اس قدر دودھ دوہ لیتا ہے جس سے ایک بڑا برتن بھرا جا سکے۔ معاویہؓ نے اُسے کہا کہ بسا اوقات یہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ خراب اونٹنی دودھ دوہنے والے کا ناک اور برتن بھی توڑ دیتی ہے۔ دارقطنی کی یہ مشہور روایت ہے جو آئمہ معروف۔ عدول۔ ثقات اور اصحابِ ثبات سے مروی ہے۔ جو نقل کی مسئولیت وذمہ داری کو بھی سمجھتے تھے۔ اور یہ بات عمروؓ بن عاص اور ابو موسیٰؓ اشعری کے شاندار ماضی۔ ان کی اسلام میں قدامت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ۔ دونوں فریقوں اور جماعتوں کے ہاں ان کا اعتماد و مقام اور تجربہ کار سرداروں کی موجودگی میں ان کے انتخاب و اختیار کے زیادہ مناسب اور لائق ہے۔ لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اشعری پر یہ اتہام والزام کہ العیاذ باللہ وہ ابلہ تھے بالکل بے حقیقت اور بے بنیاد افتراء ہے۔ اور صرف سبائی پارٹی کا جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	قاضی اشبیلیہ امام ابو محمد بن العربی

الاندلسی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری بڑے متقی صاحب زہد و ورع نہایت زبردست فقیہہ۔ عالم اور ثقہ آدمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُنہیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ یمن کی طرف نائب عامل بناکر بھیجا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ نے ابو موسیٰؓ اشعری کو اپنی خاص مجلس کا رُکن بنایا تھا۔ فہم و فراست۔ عقل و دانش اور تجربہ کے اعتبار سے اُن کا ایک خاص مقام ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مورّخین کا یہ خیال بھی ہے کہ آپ العیاذ باللہ ابلہ۔ ضعیف الرائے۔ اور سادہ لوحی کی وجہ سے مخدوع فی القول تھے۔ لیکن امام ابو بکر محمد بن العربی الاندلسی قاضی اشبیلیہ نے ان اکاذیب و اباطیل کی تردید کی ہے اور ان کی غلط اخبار و روایات کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل کو اپنی کتاب "سراج المریدین" میں نقل کیا ہے۔

خلاصۂ بحث

اس تمام بحث کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے